در کفے جامِ شریعت، در کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

بیادگارِ

حضرت ابوالبرکات سید حسن قادری گیلانی

رحمۃ اللہ علیہ

مجلّہ

پشاور

الحسن

شاہ محمد غوث اکیڈمی پشاور کا علمی مجلہ بیادگار حضرت ابوالبرکات سید حسن صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ

بانیٔ مدیرِ اعلیٰ حضرت علامہ سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

سرپرستِ اعلیٰ
(فقیر) سید محمد نور الحسنین قادری گیلانی

پی ۵۶۵
پندرہ روزہ
الحسن پشاور
رجسٹرڈ نمبر

مدیرِ اعلیٰ
سید غلام الحسنین قادری گیلانی

جلد نمبر ۱
شمارہ نمبر ۸ تا ۱۰

ربیع الثانی ۱۴۴۶ھ
۱۶ اکتوبر تا ۳۰ نومبر ۲۰۲۴ء

مدیر اعلیٰ سید غلام الحسنین قادری گیلانی نے عکاس پرنٹرز محلہ جنگی پشاور سے طبع کر کے یکہ توت پشاور سے شائع کیا۔

صبا بحسن ادب گو تو غوثِ اعظم را
خدا سپرد بہ تو کارِ ہر دُو عالم را
تو آں شہی کہ کنی رد قضائے مبرم را
بری زِ خاطر ناشاد محنت و غم را

(محدث کبیر حضرت سید شاہ محمد غوث قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ)

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	مضمون نگار	صفحہ نمبر
۱	شذرہ	سید محمد نورالحسنین قادری گیلانی	۳
۲	نعت رسول مقبول ﷺ	ولی محمد واجد	۵
۳	انوارِ غوثیہ شرح الشمائل النبویۃ	سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی	۶
۴	اُمّی و دقیقہ دانِ عالم ﷺ	حافظ محمد شاہد ودود قادری	۱۱
	منقبت در شان سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ	سید بیدم شاہ وارثی	۱۷
۵	حیاتِ محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ	سید محمد انور شاہ قادری بخاری	۱۸
۶	منقبت بحضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ	شیخ ناصر علی سرہندی رحمہ اللہ	۳۸
۷	ذات احدیت کی معرفت	مترجم: ظفر اقبال کلیار	۴۰
۸	عصر حاضر اور افکار غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ	خدیجہ طاہر	۵۴
۹	''غنیۃ الطالبین'' کی حقیقت	علامہ زید گل خٹک	۵۷
۱۰	منقبت در شان مولوی جی	سید کامران علی شاہ بخاری	۵۹
۱۱	مولوی جی اپنے استاد زادہ کی نظر میں	انٹرویو: مولانا بشیر احمد گولڑوی	۶۰
۱۲	بزم مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ	سید محمد انور شاہ قادری بخاری	۶۴
۱۳	میرے دادا جی	ڈاکٹر امِ حبیبہ	۷۲
۱۴	گلدستہ تبریک و تحسین	محمد عبدالقیوم طارق سلطانپوری	۷۷
۱۵	روایات اور جدید بصیرت کا امتزاج	سید شاکر الزمان گیلانی	۷۸
۱۶	حالاتِ حاضرہ	شبیر حسین امام	۸۰
۱۷	نئی نسل اور اسرائیل کی بربریت	ڈاکٹر سیدہ جویریہ بخاری	۸۳
۱۸	گیارہویں شریف کی شرعی حیثیت	مفتی خلیل الرحمن گلوزئی	۸۶
۱۹	تبصرہ کتب	سید محمد انور شاہ قادری بخاری	۱۱۱

شذرہ

بیادِ غوثِ اعظم و نائب غوثِ اعظم

(فقیر) سید محمد نور الحسنین قادری گیلانی

اسلام کو خلافت راشدہ کے اختتام سے بڑا نقصان اٹھانا پڑا جب ملوکیت نے قوت پکڑی تو ایوانِ حکومت سے عامہ مسلمین انسانیت کی اصلاح وفلاح اور رشد و ہدایت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ دین و دنیا کی تفریق پیدا کر دی گئی، بیت المال عوام کی بجائے حکمرانوں کی ذاتی ملکیت بن گیا، زیادہ سے زیادہ دولت کمانا، حکومت پر اپنا اور اپنے خاندان کا قبضہ برقرار رکھنا اور اس کی سرحدوں میں توسیع کرنا ہی مقصد بنا لیا گیا۔ ظلم و ستم اور جبر و تشدد کے ساتھ عوام پر حکومت کی جانے لگی جس سے ریاستی سطح پر نیابت رسالت اور نبوت اور روح خلافت ختم ہو کر رہ گئی۔

زندگی کا روحانیت سے، دلوں کا یادِ الٰہی سے اور معاشرے کا اخلاقِ حسنہ سے رشتہ ٹوٹنے لگا تو اللہ تعالٰی کے مخلص بندے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے نائب اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے اس بگاڑ کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ اسلام کے نظامِ اخلاق کو اپنایا اور دوسروں کو بھی عملی طور پر اس کی دعوت دی جس کے اثرات ظاہر ہونے لگے اور ان کی یہ تحریک اسلام میں تصوف و طریقت اور احسان و سلوک کے نام سے معروف ہوئی۔

اس روحانی تحریک کو طب نبوی کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے کیونکہ اس سے معاشرے کے باطنی امراض یعنی حرص، لالچ، طمع، حسد، بغض، خواہشات نفسانی اور منصب کی طلب اور غرور و تکبر کی اصلاح ہوئی۔ اس میں تحریک تصوف کے اکابرین اور مخلص داعیوں کے نام اور مساعی جمیلہ تاریخ میں محفوظ ہے۔

ان میں حضرت غوث الاعظم محبوب سبحانی، قندیل نورانی، شہبازِ لامکانی، ہیکل یزدانی حضرت محمد محی الدین سیدنا الشیخ سید عبد القادر الحسنی الحسینی الجیلانی کا نام، مقام اور شان سب سے بلند ہے۔ آپ نے اپنی دلکش اور محبوب شخصیت، علم و فضل، اخلاق و کردار، خداداد صلاحیتوں اور روحانی کمالات سے اس

تحریک کو نئی زندگی سے ہمکنار فرمایا۔آپ نے اس نظام میں اصلاح وفلاح اور رشد وہدایت کے اصول و ضوابط مرتب فرمائے اور تعلیم وتربیت کا ایک ایسا دلنشیں نظام وضع فرمایا جس میں شریعت وطریقت کی جامعیت پائی جاتی تھی۔آپ نے دین ودنیا کی تفریق کو مٹادیا۔آپ نے اپنے دارالعلوم اور خانقاہ معلیٰ میں ایسے کامل انسان پیدا فرمائے جن کی راتیں یادِالٰہی میں گزرتیں اور دن جہادِاصغر و جہادِ اکبر میں گزرتا۔سلطان صلاح الدین ایوبی کے لشکر میں یہی مجاہدین شامل تھے جنہوں نے دوبارہ بیت المقدس کو عیسائیوں سے بازیاب کیا۔سعودی عرب کے فاضل محقق ڈاکٹر ارسان گیلانی نے اپنی کتاب ''القدس کی بازیابی'' میں اس حقیقت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ ہر سال ایک دینی اور روحانی تقریب ۱۱ ربیع الثانی کو منایا کرتے تھے۔ حضرت امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق آپ دراصل حضور نبی کریم، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین، عالم علوم اولین وآخرین احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا چہلم منایا کرتے تھے اور اس کی مقبولیت کے پیش نظر آپ ہر ماہ یہ تقریب منانے لگے جس میں ہزاروں کی تعداد میں عوام وخواص مستفید اور مستفیض ہوا کرتے تھے۔آپ کا وصال بھی گیارہ ربیع الثانی ۵۶۱ھ کو ہوا اور یوں یہ تقریب ''عرسِ غوثِ اعظم'' یا ''گیارہویں شریف'' کے نام سے عرب وعجم میں منائی جانے لگی۔

پشاور میں اس کا آغاز ہمارے جدِ اعلیٰ حضرت ابوالبرکات سید حسن قادری گیلانی (المتوفی ۱۱۱۵ھ) نے فرمایا جو ایک عظیم محدث تھے اور درس وتدریس کے دوران قرآن وحدیث، حدیث وفقہ اور فقہ و تصوف میں تطبیق دیا کرتے تھے۔آپ کی آٹھویں پشت میں جامع شریعت وطریقت، مفسر قرآن، شارحِ حدیث، فقیہ اُفخم، محقق بے بدل، قطب عالم حضرت علامہ سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی المعروف مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلۃ الذہب کو چار چاند لگائے اور نائب غوثِ اعظم کی حیثیت سے عامہ مسلمین کو حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے فیوض وبرکات سے بہرہ مند فرمایا۔چونکہ اس بار آپ کا عرس ۲۸ اکتوبر (۲۵ ربیع الثانی) کو آرہا ہے اور بڑی گیارہویں شریف ۱۵ اکتوبر کو ہوگی لہٰذا ''الحسن'' کا یہ شمارہ ان دونوں عظیم المرتبت ہستیوں کی نسبت سے منظر عام پر لایا جارہا ہے۔

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ولی محمد واجد

ہم نے شب فراقِ نبی یوں تمام کی
اشکوں نے دی نیاز درود و سلام کی

آؤ سکونِ قلب و نظر کے گداگرو
خیرات بٹ رہی ہے محمد کے نام کی

حالِ دلِ خراب کسی اور سے کہوں؟
حیرت سے دیکھتی ہیں حدیں احترام کی

ہر دور کے مسائل انسانیت کا حل
ادنیٰ سی ایک خوبی ہے ان کے نظام کی

بس آں نگاہِ لطف سے سرشار کر دیا
حاجت سبو کی ہے نہ ضرورت ہے جام کی

کس نے تڑپ کے ہجر میں یا مصطفیٰ کہا
سب راہیں مُشک بار ہیں باب السلام کی

واجد عجیب رنگ جمے گا بروزِ حشر
تو نعت جب پڑھے گا رسولِ انام کی

گذشتہ سے پیوستہ

انوارِ غوثیہ شرح الشمائل النبویہ

قطب الاقطاب شیخ القرآن والحدیث
حضرت علامہ سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

حدیث نمبر ۱۵۱/۷: حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ وَ أَبُو نُعَيْمٍ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عِيسَى عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ يُقَالُ لَهُ عَطَاءٌ عَنْ أَبِي أَسِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ كُلُو الزَّيْتَ وَ ادَّهِنُوْ بِهٖ فَإِنَّهٗ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ

ترجمہ: ابی اسیّد سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زیتون کا تیل کھاؤ اور اس سے مالش بھی کرو کیونکہ یہ مبارک درخت کا تیل ہے۔

حل لغات: اَلزَّيْتَ: زیتون کا تیل۔ وَادَّهِنُوْ بِهٖ: اور اس کی مالش کرو، دَهْنٌ مصدر ہے یعنی تیل ملنا، تر کرنا، چکنا کرنا، اگر پیش کے ساتھ ہو جیسے دُهْنٌ تو پھر مطلق تیل کے معنی میں ہوتا ہے۔

تشریح: ارشاد فرمایا ''زیتون کا تیل کھاؤ'' یعنی سالن کے طور پر استعمال کرو، سالن میں استعمال کرو، روٹی کے ساتھ کھاؤ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ''کان عبد اللہ یا کل باالزیت'' روٹی زیتون کے تیل سے کھاتے۔ ارشاد ہے ''اس سے مالش بھی کرو'' یعنی سر کے بالوں پر ملو اور جس جگہ بدن میں درد ہو تو اس کی مالش کرو۔ صاحب ''اتحافات الربانیہ'' تحریر فرماتے ہیں کہ:

لأن الدهن به في البلاد الحارة من أسباب حفظه الصحة و أما البلاد الباردة فضار

یعنی گرم ممالک میں اس کی مالش صحت کی محافظت کرتی ہے اور سرد ممالک میں صحت کے لیے نقصان کا باعث ہے۔

سردی میں تو سر پر مسلسل ملنا بینائی کو نقصان پہنچا تا ہے۔ یہ امر، امرِ استحبابی ہے ارشاد ہے ''کیونکہ یہ مبارک درخت کا تیل ہے'' اس لیے کہ یہ مبارک درخت سے نکلتا ہے جس کا نام زیتون ہے۔ شارحین فرماتے ہیں کہ اس سے بہت سے فوائد اور منافع ہیں اسی لیے تو اسے مبارک فرمایا۔

علامہ البیجوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

وَدَعَا لَهَا سَبْعُونَ نَبِيًّا بِالْبَرَكَةِ مِنْهُمْ إِبْرَاهِيمُ، وَمِنْهُمْ سيدنا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّهُ قَالَ اللَّهُمَّ بَارِكْ فى الزيت والزيتون مرتين كذا فى تفسير القرطبى

یعنی اس کے لیے ستر انبیاء کرام نے برکت کی دعا کی ہے جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضور سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہیں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعائیہ الفاظ مبارک یہ ہیں کہ اے میرے اللہ! زیتون کے تیل میں برکت ڈال دے۔

ابونعیم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ

فَإِنَّ فِيهِ شِفَاءً مِنْ سَبْعِينَ دَاءً مِنْهَا الْجُذَامُ

پس بیشک اس زیتون کے تیل میں ستر بیماریوں کے لیے شفاء ہے جن میں جذام کی بیماری بھی ہے۔

علامہ البیجوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ ''زیتون میں بہت منافع ہے، اس کا تیل جلانے کے کام آتا ہے، کھایا جاتا ہے، ملا جاتا ہے، دباغت میں استعمال ہوتا ہے، ایندھن جلانے کے کام آتا ہے ''حتی الرماد يغسل به الابريسم'' یہاں تک کہ اس کی راکھ ریشم دھونے کے کام آتی ہے''۔ حضرت علامہ عبدالرؤف صاحب مناوی المتوفی ۱۰۰۳ھ تحریر فرماتے ہیں

او لانها تنبت بالارض المقدسة التى بورك فيها

یعنی یا اس لیے اس میں برکت ہے کہ یہ ارضِ مقدسہ میں اُگا ہے۔

یعنی شام شریف میں جہاں کم و بیش ستر انبیاء کرام مبعوث ہوئے، ان حضرات کے قدومِ میمنت

لزوم کی برکت سے وہ زمین ارضِ مقدسہ کہلائی اور اس جگہ کا درخت بھی بابرکت اور مبارک قرار دیا گیا۔

حدیث نمبر ۸/ ۱۵۲ : حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ كُلُوا الزَّيْتَ وَ ادَّهِنُوا بِهٖ فَإِنَّهٗ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ قَالَ أَبُو عِيسَى وَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ كَانَ يَضْطَرِبُ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ فَرُبَّمَا أَسْنَدَهٗ وَرُبَّمَا أَرْسَلَهٗ حَدَّثَنَا السِّنْجِيُّ وَهُوَ أَبُو دَاوُدَ سُلَيْمَانُ بْنُ مَعْبَدٍ السِّنْجِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ نَحْوَهٗ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ عُمَرَ

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زیتون کھاؤ اور اس کے تیل کی مالش کرو کیونکہ یہ مبارک درخت کا تیل ہے۔

تشریح: حضرت علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ جمع الوسائل، صفحہ ۲۰۵، جلد اوّل میں نقل فرماتے ہیں کہ:

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ عَنْ عُمَرَ وَرَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالْحَاكِمُ عَنْ أَبِي أَسِيدٍ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ وَالْحَاكِمُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَلَفْظُهٗ كُلُوا الزَّيْتَ وَادَّهِنُوا بِهٖ فَإِنَّهٗ طَيِّبٌ مُبَارَكٌ

اس حدیث شریف کی تشریح حدیث ۱۵۱ پر اسی باب میں ملاحظہ فرمالیجئے۔

حدیث نمبر ۹/ ۱۵۳ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ قَالَا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ الدُّبَّاءُ فَأُتِيَ بِطَعَامٍ اَوْدُعِيَ لَهٗ فَجَعَلْتُ اَتَتَبَّعُهٗ فَاَضَعُهٗ بَيْنَ يَدَيْهِ لِمَا اَعْلَمُ اَنَّهٗ يُحِبُّهٗ

ترجمہ: انس بن مالک سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کدو کو بہت پسند فرماتے

تھے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کھانا پیش کیا گیا یا آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدعو کیا گیا چونکہ میں جانتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کدو کو بہت پسند فرماتے ہیں اس لیے میں نے اس کھانے کے برتن میں سے کدو کے ٹکڑے دیکھ دیکھ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے رکھنے شروع کر دیے۔

حل لغات: **يُعْجِبُ**: پسند فرماتے تھے، مرغوب خاطر تھے۔ **اِعْجَابٌ** سے ہے جس کے معنی خوش ہونا، بھلی لگنا، پسند ہونا وغیرہ ہیں۔ **اَلدُّبَّاءِ**: دال کی پیش اور زبر دونوں سے ہے۔ کدو، گھیا، تر یہاں کدو مراد ہے۔ **فَجَعَلْتُ اَتَتَبَّعُهُ**: سو میں نے اس (برتن) سے کدو کے ٹکڑے خوب ڈھونڈ کر رکھے۔ **بَيْنَ يَدَيْهِ**: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آگے۔

تشریح: انس بن مالک فرماتے ہیں کہ ”حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کدو کو بہت پسند فرماتے تھے“ حضور سیّد المرسلین رحمۃ للعالمین، شافع روزِ جزا، حامل لواءِ حمد احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیالے کے کونوں میں سے کدو کے ٹکڑے تلاش فرما کر نوش فرمایا کرتے تھے۔ حدیث شریف میں ہے **يَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ مِنْ حَوَالَيِ الْقَصْعَةِ** چونکہ آنحضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کدو پسند تھا لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر ایک نام لیوا کو مرغوب خاطر ہونا ضروری ہے۔ خاطرِ عزیز، عزیز ہوا کرتی ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت قاضی القضاۃ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ (جو کہ امام ہمام امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردِ رشید تھے) کے سامنے ایک شخص نے کہا کہ ”کدو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو پسند تھا مگر مجھ کو پسند نہیں“۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ”قتل کرنے کا سامان لاؤ تاکہ اسے قتل کر دوں کیونکہ یہ مرتد ہو گیا ہے“۔

طبّی نقطہ نگاہ سے کدو میں زیادتی عقل اور اعتدالی دماغ کے جوہر ہیں۔ پیاس بجھاتا ہے، مرگی کے مرض کا علاج ہے، بہت زیادہ بخار ہو جائے تو کدو کے بڑے بڑے ٹکڑے کر کے ہاتھوں اور پاؤں کی تلیوں پر ملنے سے فوراً بخار اتر جاتا ہے۔ بقولِ حضرت مولانا مولوی محمد عاقل صاحب شارح شمائل شریف ”اس میں ایک ایسی چیز بھی ہے جس کا راز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی جانتے تھے۔“ علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف میں اس بات کی طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ کھانے میں کسی بزرگ کے لیے ایثار

کرنا جائز ہے جبکہ کھانے میں معلوم ہو جائے کہ وہ صاحب اس کھانے کی طرف مائل ہیں۔

حدیث نمبر ۱۰ / ۱۵۳: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنُ أَبِي خَالِدٍ عَنْ حَكِيمِ بْنِ جَابِرٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ فَرَأَيْتُ عِنْدَهُ دُبَّاءً يُقَطَّعُ فَقُلْتُ مَا هٰذَا قَالَ نُكَثِّرُ بِهٖ طَعَامَنَا قَالَ أَبُو عِيسَى وَجَابِرٌ هُوَ جَابِرُ بْنُ طَارِقٍ وَيُقَالُ ابْنُ أَبِي طَارِقٍ وَهُوَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَلَا نَعْرِفُ لَهُ إِلَا هٰذَا الْحَدِيثَ الْوَاحِدَ، وَ أَبُو خَالِدٍ اسْمُهُ سَعْدٌ

ترجمہ: جابر بن طارق سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کدو دیکھے جو کہ قاش قاش (ٹکڑے ٹکڑے) کیے جا رہے تھے، میں نے عرض کیا کہ یہ اتنے چھوٹے چھوٹے کیوں؟ ارشاد فرمایا ان سے ہم اپنا سالن زیادہ کرتے ہیں۔

حل لغات: **يُقَطَّعُ**: قاش قاش کرتے تھے، ٹکڑے ٹکڑے کرتے تھے اس کا مصدر **تَقْطِيْعٌ** ہے جس کا معنی ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہے۔ **نُكَثِّرُ**: ہم زیادہ کرتے ہیں ہم اضافہ کرتے ہیں۔

تشریح: حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں گھر مبارک پر جابر بن طارق حاضر ہوئے۔ شوربا زیادہ رکھنے کا معمول تھا تا کہ ہر وارد و صادر شکم سیر ہو کر جائے۔ اگرچہ خود بنفس نفیس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل خانہ علیہم السلام بھوکے شکم ہی رہتے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی ترغیب دلائی کہ شوربا زیادہ رکھا کرو، تا کہ تمہارا ہمسایہ بھی اس سے منتفع ہو سکے۔

الصلوٰة و السلام علیك یا حبیب الله

و علی الك و اصحاب یا نبی الله

(جاری ہے)

اُمّی و دقیقہ دانِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حافظ محمد شاہد ودود قادری

اللہ رب العالمین جل جلالہ نے اپنے محبوب کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لاتعداد صفاتی ناموں سے مخاطب فرمایا ہے۔ یقیناً یہ وصف خداوندی محب جل جلالہ کی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انسیت ظاہر کرتا ہے۔ یہ کہنا بے جا ہرگز نہ ہوگا کہ اللہ پاک نے اپنے ممدوح باکمال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدحت وستائش کے لیے جا بجا نئے نئے عنوانات قائم فرمائے ہیں۔

آقا کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ہر صفاتی نام معنویت کے اعتبار سے جداگانہ، بلند و برتر اور ارفع مقام کا حامل ہے جسے ہر دور کے ذہین وفطین اور نابغہ روزگار افراد نے اپنی اپنی علمی استعداد کے مطابق الفاظ کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن آقا کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اولوالمرتبت شخصیت نے ہر دور ہی میں مقرر کی زبان اور محرر کے قلم سے لا یمکن الثناء کما کان حقہ بھی کہلوایا اور لکھوایا۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شاندار اور پروقار اسماء گرامی میں سے ایک اسم پاک ''اُمّی'' بھی ہے۔

اُمّی کا لفظ اُم یا آم سے نکلا ہے جو عربی زبان وادب میں اصل، بنیاد، اساس اور ماں کے معانی دیتا ہے۔ انسان کی اصل، اس کی بنیاد اور اس کی اساس اس کی ماں ہی ہوتی ہے۔ ربِ کائنات جل جلالہ نے اپنے معصوم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے کلام سرمدی میں اُمّی'' اس لیے بھی فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلوئے آمنہ رضی اللہ عنہا سے ہویدا ہونے کے بعد بھی دنیوی تریسٹھ سالہ زندگی میں اسی طرح معصوم اور پاک رہے جیسا کہ شکم مادر میں تھے۔ اُمّی بمعنیٰ اساس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سارے کے سارے عالمین کی تخلیق کی بنیاد ذاتِ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہے۔

گر نبودی روئے تو می بود در کتم عدم
ہم نبی و ہم ولی وہم سماوات و سمک

لفظ اُمّی کا ایک مطلب ''ان پڑھ'' بھی ہے لیکن یہ بات سمجھنے سے متعلق ہے کہ اگر صرف لفظ اُمّی لکھا ہوگا تو اس سے مراد کوئی بھی عام شخص ہوگا لیکن سرکارِ دو جہاں ﷺ کو کلام مجید میں اُمّی پکارنے سے پہلے یا بعد ازاں ''رسول'' اور ''نبی'' کے القابات سے بھی مخاطب کیا گیا۔ اللہ تعالی نے فرمایا

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ (الاعراف:۱۵۷)

دوسری جگہ فرمایا

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا (الجمعۃ:۲)

محقق شہیر علامہ فیض احمد اویسی رحمۃ اللہ علیہ ''مجمع البرکات شرح دلائل الخیرات'' صفحہ ۱۵۹ پر اسم النبی ''سیدنا اُمّی'' ﷺ کی تفصیل میں رقمطراز ہیں کہ

''چونکہ اُمّی ہونا نبوت سے متعلق ہے اس لیے نبیٔ اکرم ﷺ کے بارے میں لفظ اُمّی لفظ ''نبی'' کے ساتھ ہی وارد ہوا۔ صرف لفظ اُمّی استعمال نہیں کیا جائے گا۔''

اُمّی کو (العیاذ باللہ) ان پڑھ کے معنی میں معلم کائنات ﷺ جیسی عبقری شخصیت پر منطبق کرنے والے شور بخت کی عقل پر ماتم ہی کیا جا سکتا ہے۔ جس قبلۂ محترم ﷺ کا اپنا فرمان عالیشان ہے کہ وَاِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا اور مجھے تو معلم (استاد) بنا کر بھیجا گیا ہے (مشکوۃ شریف باب علم اور اس کی فضیلت کا بیان، حدیث نمبر ۲۵۷) ان کی حیثیت ایک مدرس کے طور پر کتنی عظیم اور پُراثر ہے۔

ان پڑھ ہونا بنیادی طور پر ایک نقص اور عیب ہے اور آقا کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم منزہ عن العیوب ہیں۔ اللہ رب العزت نے آپ کو وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ (الاحزاب:۴۶) ''اور اس کے اذن سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا'' فرمایا۔ اب خود ہی سوچیں کہ رب کا ماذون داعی ان پڑھ ہوگا یا کہ رب کے رنگ میں رنگا ہوا گویا صبغۃ اللہ ہوگا۔ میرے نبی کریم ﷺ تو سب سے پہلی اسلامی یونیورسٹی (صفہ) جو کہ مسجد نبوی میں ایک چبوترے پہ قائم کی گئی تھی کے چانسلر تھے جن کے سینے کی ضو سے حضرت علی مرتضیٰ، حضرت امیر حمزہ اسد اللہ، حضرت عبد اللہ بن عباس ترجمان القرآن، حضرت عبد اللہ بن مسعود فقیہ الامہ، حضرت ابیّ بن کعب اقرا الامہ، حضرت ابوذر غفاری مسیح الامہ، حضرت ابودرداحکیم الامہ

اور حضرت معاذ بن جبل امام العلماء کی ڈگریاں پا کر صبح قیامت کے قیام تک امت کی رہبری کا سامان بنے (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)۔ یہ مثالیں ہیں ان چند ذرّوں کی جن میں سے ہر ایک خورشید رسالت کے پُرنور اثر سے ذرّے سے آفتاب بنا۔

نزولِ قرآنِ مجید اس سلسلے کی سب سے بڑی اور واضح دلیل ہے کہ آپ ﷺ کا مبارک سینہ معرفت الٰہی کا دفینہ ہے۔ اللہ رب العزت فرماتا ہے

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (الحشر:۲۱)

ترجمہ: اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو تُو دیکھتا کہ خوفِ الٰہی سے وہ پست ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ ہم ان مثالوں کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ غور وفکر کریں۔

جس ہستئ محتشم ﷺ کا سینۂ بے کینہ مخزنِ انوارِ ربانی کی کان ہے اس کے علوم وفنون کے محاسن و محامد پر (معاذ اللہ) ہلکا لکھنے اور بولنے والے کو حسان بن ثابت، کعب بن زھیر اور بوصیری (رضی اللہ عنہم) سے اسلوب تحریر جاننا چاہیے۔

ظلمت کی سیاہی سے قلم زنی کرنے کی بجائے اشہبِ عشق کے سواروں سعدی ورومی وعطار (رحمہم اللہ) سے منہاج عشق ومحبت کی معرفت حاصل کرنی چاہیے اور اس عظیم وبے مثیل وبے مثال بارگاہ میں سرنیاز جھکا کر علم وعرفان کی دولت پا کر ہمیشہ کے لیے دلوں پر حکمرانی کرنے والے حافظ ورومی وخسرو کے حضور زانوئے تلمذ تہہ کرنے چاہئیں۔

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جس پر اترنے والا قرآن فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ اور فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ جیسے عظیم دعوے کر رہا ہے اس کی امت کے بعض عاقبت نا اندیش نام نہاد علماء اس قرآنِ ناطق ﷺ پر ہرزہ سرائی کرتے نظر آتے ہیں۔

سوچنے اور سمجھنے والی بات تو یہ ہے کہ جس کے صدقے میں نازل ہونے والے قرآن کے علماء امت شیوخ القرآن، شیوخ التفسیر اور جس کی احادیث کے ماہرین شیوخ الحدیث کہلاتے ہیں اس کی اپنی

پروازِ علم وحکمت کے کس آسمان پر ہوگی؟ جسے رب خود اقراء کہہ کے پڑھا رہا ہے تو گویا پھر اس کا استاذ تو صرف اللہ ہی ٹھہرا جبکہ باقی تمام عالمین کا استاذ وہی ہے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔ وہ تلمیذ الرحمٰن اور استاذِ کل ہے جسے رب وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ کہہ کے باقی تمام مخلوقات کو یہ بتا رہا ہے کہ میں نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو کچھ سکھایا وہ کسی کو بھی نہیں سکھایا، جو کچھ انہیں عطا کیا وہ کسی کو بھی نہیں ملا، جتنی نعمتوں سے انہیں سرفراز کیا گیا اس کا عشر عشیر بھی کسی دوسرے کا مقدر نہیں بنا۔

اب اتنی خوبیوں والا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر کسی کو ان پڑھ اور کم علم نظر آتا ہے تو گناہ اس کی نظر اور فہم کا ہے۔ میرا نبی تو وہ علیم ہے جس سے علم کو بھی مدد اور کمک ملتی ہے اور ملتی رہے گی۔ آقا کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم علومِ الٰہیہ کے مظہر اور امین ہیں جنہیں رب نے لفظوں میں ڈھالنا چاہا تو قرآن بنا دیا اور نورِ مجسم کے طور پر تخلیق فرمایا تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنا دیا۔

حضرات صوفیاء کرام نے بھی اسم صفت نبوی اُمّی کو بڑی شائستگی کے ساتھ واضح فرما کر نا قدین کے لبوں کو سر بہ مہر کیا ہے۔ کشتۂ بادہ شیراز حافظ محمد شمس الدین شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

نگارِ من کہ بہ مکتب نہ رفت و خط نہ نوشت
بہ غمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

یعنی میرا محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو کہ نہ تو کبھی کسی سکول، کالج یا یونیورسٹی گیا اور نہ ہی اس نے کچھ لکھا مگر اپنی (خداداد) صلاحیتوں اور اداؤں کی بدولت سینکڑوں استادوں کا استاد اور مسئلہ سمجھانے والا ہو گیا۔

حضرت حافظ علیہ الرحمہ کے اس لاجواب شعر میں جہاں معلم کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علمی معراج ظاہر ہوتی ہے وہاں کذاب مرزا قادیانی کی جھوٹی نبوت کے دعوے کی بھی یوں نفی ہوتی ہے کہ جتنے بھی انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے ان پر کتب وصحائف منجانب اللہ نازل ہوئے نہ کہ انہوں نے بیٹھ کر کتابیں لکھیں۔

صاحبِ ''قصیدہ بردہ ثانی'' امام شرف الدین ابوعبداللہ محمد بن سعید بن حماد بن محسن بن عبداللہ الصنہاجی البوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قصیدہ مذکورہ میں لفظ اُمّی کو کچھ اس انداز سے پیش فرمایا ہے

کفاك بالعلم فی الامی معجزة
فی الجاهلية و التاديب فی اليتم

یعنی ان پڑھوں کے ماحول میں ہونے کے باوجود کون و مکان کا سب سے بڑا عالم ہونا اور زمانۂ جاہلیت میں یتیمی کی حالت میں پرورش پانے کے باوجود مؤدب اور معلمِ عالم ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔

دربارِ اکبری کے ملک الشعراء اور غیر منقوط عربی تفسیر قرآن ''سواطع الالہام'' کے محرر ابوالفیض فیضی نے دامن ادب تھام کے جتنے عارفانہ انداز مین لفظ اُمّی کو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے استعمال کیا ہے بس یہ انہی کا خاصہ ہے، فرماتے ہیں

اُمّی و دقیقہ دانِ عالم
بے سایہ و سایہ بانِ عالم

اتنی گہرائی اور گیرائی والے شعر کا ترجمہ اور اس پر تبصرہ استاذ الاساتذہ حضرت پروفیسر معین نظامی مدظلہ العالی کی زبانی سنیے

''وہ اُمّی ہیں اور اُمّی بھی ایسے کہ جہانِ تخلیق کا کوئی باریک سے باریک نکتہ بھی ان کے دائرہ علم سے باہر نہیں ہے۔ان کے جسمِ اطہر کا سایہ نہیں تھا مگر کمال ہے کہ پوری دنیا ان کے زیر سایہ ہے۔اسی شعر کے دوسرے مصرعے سے احمد ندیم قاسمی (مرحوم) کا یادگار استفادہ دیکھیے

لوگ کہتے ہیں کہ سایہ تیرے پیکر کا نہ تھا
میں تو کہتا ہوں جہاں بھر پہ ہے سایہ تیرا''

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے شیخ طریقت اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد ارشد حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ اپنے ذوق میں فرماتے ہیں

اُمّی لقبی کہ عرش یک پایۂ اوست
احمد نامی کہ نقدِ جاں مایۂ اوست

گویند کہ آں مظہر جاں سایہ نہ داشت
ویں طرفہ کہ عالم ہمہ در سایۂ اوست

یعنی وہ اُمّی لقب کہ عرشِ الٰہی ان کا مقام ہے، وہ احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نام والے کہ جو ہمارے جان و دل کے مالک ہیں، کہتے ہیں کہ اس نورِ الٰہی کے پرتَو (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا سایہ نہ تھا، یہ عجوبہ اس لیے ہے کہ تمام عالم ہی ان کے سایۂ (رحمت) میں ہے۔

قلندر لاہوری حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی صفت رسول اُمّی کو خوب بیان فرمایا ہے۔ ''پیام مشرق'' کی نظم ''خطاب بہ مصطفیٰ کمال پاشا ایدہ اللہ'' کے مطلع میں فرماتے ہیں

امئے بود کہ ما از اثر حکمت او
واقف از سر نہاں خانہ تقدیر شدیم

یعنی ایک اُمّی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے کہ ان کی حکمت و دانائی کے فیض سے ہم تقدیر کے نہاں خانے کے راز سے باخبر ہوئے۔

یہ موضوع اتنا بسیط اور تفصیل طلب ہے کہ حقیقتاً اس کو قلمبند کرنے کے لیے
سمندروں کی ضرورت ہے اس قلم کے لیے
اکتفاء کسی کی کہی ہوئی بات پہ کرتے ہیں کہ

اُمّی و گویا بہ زبانِ فصیح
از الفِ آدم و میمِ مسیح

یعنی آدم علیہ السلام سے لے کر مسیح علیہ السلام تک تمام انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خوبیاں اور شمائل ذاتِ بابرکات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احاطہ کرتی ہیں۔

محمد عربی کابروئے ہر دُو سرا ست
کسے کہ خاکِ درَش نیست خاک بر سرِ او

مشکل آساں مری فرمایئے شیئاً للہ

استغاثہ بہ بارگاہِ حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی غوث الاعظم
محی الدین شیخ الشیوخ سید عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ

سید بیدم شاہ وارثی علیہ الرحمہ

جان پر بن گئی اب آیئے شیئاً للہ
مشکل آساں میری فرمایئے شیئاً للہ

کشتیاں ڈوبی ہوئی آپ نے تیرائی ہیں
میری امداد بھی فرمایئے شیئاً للہ

آپ کا طالب دیدار ہوں غوث الثقلین
روئے زیبا مجھے دکھلایئے شیئاً للہ

اپنے دادا اسد اللہ کے قدموں کے طفیل
دستگیری مری فرمایئے شیئاً للہ

ہند میں بے سروساماں رہے کب تک بیدمؔ
اس کو بغداد میں بلوایئے شیئاً للہ

حیاتِ محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ

سید محمد انور شاہ قادری بخاری
(ریٹائرڈ) لائبریرین گورنمنٹ ہائیر سیکنڈری سکول نمبر ۳ پشاور شہر

انسان کی عظمت و رفعت مشرق و مغرب میں یکساں طور پر تسلیم کی گئی ہے لیکن دونوں کے ہاں سوائے علم کی فضلیت کے باقی معیار اور پیمانے الگ الگ ہیں۔ اہل مغرب کے ہاں عظمت انسانی کا دارومدار جسمانی طاقت اور مادی ترقی پر ہے۔ وہ انسان کو شیر جیسا مضبوط و توانا اور نڈر و بہادر دیکھنا پسند کرتے ہیں جو دوسرے جانوروں کو ہلاک کر کے پورے جنگل پر اپنا رعب و دبدبہ قائم کر لیتا ہے۔ اس ضمن میں جرمن فلاسفر نٹشے نے فوق البشر (سُپر مین) کا جو تصور پیش کیا وہ خالق کائنات کا منکر و باغی ہونے کے ساتھ ساتھ کسی بھی قسم کے ضابطہ اخلاق کی پابندی نہیں کرتا۔

اس کے برعکس اسلامی تعلیمات میں عظیم انسان کو ''خیر البشر'' کہا گیا ہے جس کے لیے مسلم مفکرین (حضرت علامہ محی الدین ابن عربی، ابراہیم جیلی اور علامہ اقبال) نے انسان کامل کی اصطلاح بھی استعمال کی ہے۔ نیز یہ صراحت بھی کی ہے کہ اس کی عظمت کا انحصار جسمانی و مادی قوت کی بجائے اخلاقیات و روحانی ترقی پر ہوتا ہے۔ یہ اپنے خالق حقیقی کا نائب اور فرماں بردار ہوتا ہے اور مخلوقِ خدا کو اللہ تعالیٰ کا کنبہ سمجھ کر اس کی پرورش و نگہ داشت اور رہنمائی کرتا ہے۔ اخلاقِ حسنہ کا پیکر ہوتا ہے، پیار و محبت، شفقت، رحم دلی، ہمدردی اور خدمت خلق اس کا شعار زندگی ہوتا ہے۔

اسلامی معاشرہ کامل انسانوں سے کبھی خالی نہیں ہوتا لیکن کامل ترین کا وجود نادر و نایاب ہوتا ہے۔ یہ روز روز پیدا نہیں ہوتے بلکہ ان کے لیے ماہ و انجم صدیوں تک محو انتظار رہتے ہیں تب کہیں جا کر اس جہاں رنگ و بو میں ایسی ہستی جلوہ افروز ہوتی ہے، حکیم الامت علامہ اقبال فرماتے ہیں

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات | تا زِ بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

تاریخ شاہد ہے کہ انسانیت نے خیر البشر اور انسانِ کامل کا بہترین نمونہ پیغمبر اسلام، امام المتقین،

خاتم النبیین، سید الصادقین، جناب احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں ملاحظہ کیا۔ بارگاہِ الٰہی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رحمۃ للعالمین کا لقب عطا ہوا۔ خلق عظیم کا تاج آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر اقدس پر رکھا گیا، تمام انسانوں کو آپ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کا حکم دیا گیا اور پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل اتباع کرنے والوں کو رب تعالیٰ کے محبوبوں کی صف میں شمولیت کی خوش خبری سنائی گئی اور پھر ان محبوبوں کی عظمت اور روحانی قوت وتصرف کا اعلان رب تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمایا

سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ
الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا (رواہ البخاری)

ترجمہ: میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں (کی قوت) بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

شاعر مشرق کی نظر جب اس حدیث قدسی پر پڑی تو وجد میں آ کر اس کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کیا

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ | غالب و کار آفریں کار کشا کار ساز
خاکی و نوری نہاد بندۂ مولیٰ صفات | ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز

رب العالمین جل جلالہ نے قرآن مجید میں جگہ جگہ اپنے ان محبوب بندوں کا ذکر فرمایا ہے۔ انہیں متقین، توابین، مطہرین، ذاکرین، صابرین، صادقین، صالحین اور محسنین وغیرہ کہہ کر یاد کیا ہے۔ یہی کامل انسان ہیں اور ان کا عام فہم نام اولیاء اللہ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (یونس: ۶۲)

ترجمہ: غور سے سن لو بے شک اولیاء اللہ پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ ہی کچھ غم۔

تاریخ اسلام میں اللہ تعالیٰ کے ان محبوب اولیاء اللہ میں سے دو ہستیوں کو خصوصی امتیاز و شرف اور مقبولیت حاصل ہے۔ ان میں سے ایک محبوبِ سبحانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ ہیں اور دوسرے محبوبِ الٰہی سید محمد نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

زیرِ نظر سطور میں اول الذکر کی حیاتِ طیبہ کی جھلکیاں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے۔ آنجناب نے سرورِ کونین ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا مظہر اتم بن کر فتنوں اور گمراہیوں کا سد باب کیا اور دین اسلام میں ایک نئی روح پھونکی۔ آپ نے رشد و ہدایت کے ذریعے امت محمدیہ ﷺ پر جو وسیع، گہرے، انمٹ اور دوررس اثرات مرتب فرمائے ان کی مثال پیش کرنا ناممکن ہے۔ آپ کو حضرات اولیاء اللہ میں وہی مقام حاصل ہے جو انبیاء کرام کی صفوں میں آپ کے جدامجد نبی کریم ﷺ کو عطاء ہوا۔

غوثِ اعظم درمیانِ اولیاء | چوں محمد درمیان انبیاء

نام وکنیت اور القابات: آپ کا اسم گرامی عبدالقادر اور کنیت ابو محمد ہے جبکہ مختلف بلادِ اسلامیہ میں شیخ الاسلام، تاج العارفین، پیرانِ پیر، محی الدین، سلطان اولیاء، قطب الاقطاب، غوث الثقلین اور غوث اعظم کے القابات سے مشہور ہیں[۱]۔ نیز عوام وخواص، عقیدت و محبت سے آپ کو محبوب سبحانی، قندیل نورانی، شہبازِ لامکانی، ہیکل یزدانی، میراں سرکار، بڑے پیر صاحب، گیارہویں والے پیر، لوئے زوان (پشتو)، سید السادات، شہنشاہِ بغداد اور نائب رسول ﷺ بھی کہتے ہیں۔

شجرہ نسب پدری: حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ نجیب الطرفین حسنی حسینی سید ہیں۔ والد گرامی مرتبت کی طرف سے آپ کا شجرہ نسب گیارہ واسطوں سے مولائے کائنات امام الاولیاء، سید الاتقیا، امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم تک یوں پہنچتا ہے: حضرت عبدالقادر جیلانی بن سید ابوصالح موسیٰ جنگی دوست بن سید عبداللہ جیلی بن سید یحییٰ زاہد بن سید شمس الدین محمد زکریا بن سید ابوبکر داؤد بن سید موسیٰ ثانی بن سید عبداللہ صالح بن سید موسیٰ الجون بن سید عبداللہ المحض بن سید حسن المثنیٰ بن حضرت امام حسن مجتبیٰ بن حضرت امام الاولیاء علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم۔[۲]

۱: دائرہ معارف اسلامیہ (اردو) لاہور، دانش گاہ پنجاب ۱۹۷۳ جلد ۲ صفحہ ۹۲۸

۲: غوث اعظم، فتوح الغیب (عربی) برحاشیہ، بہجۃ الاسرار، مصر۔ مطبعۃ الممینیہ ۱۳۰۴ھ صفحہ ۲۔ امام نورالدین علی الشطنوفی، بہجۃ الاسرار، (عبربی) مصر۔ مطبعۃ الممینیہ ۱۳۰۴ھ صفحہ ۸۸۔ امام عبداللہ یافعی، مراۃ الجنان (عربی) حیدرآباد دکن، دائرہ معارف نظامیہ ۱۳۳۸ھ جلد ۳ صفحہ ۲۵۰، ۲۵۱ شاہ محمد غوث گیلانی، درکسب سلوک وحقیقت ومعرفت (قلمی) ورق ۴۳ (الف)۔ ابوالمظفر ظہیرالدین قادری، فتح المبین (عربی) مصر۔ مطبعہ خیریہ ۱۳۰۶ھ صفحہ ۵

شجرہ نسب مادری: والدہ ماجدہ کی طرف سے آپکا سلسلہ نسب پندرہویں پشت پر سیدنا جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے یوں ملتا ہے: ام الخیر امتہ الجبار فاطمتہ بنت السید عبداللہ الصومعی الزاہد بن الامام ابی جمال الدین السید محمد بن الامام السید محمود بن الامام ابی العطاء عبداللہ بن الامام کمال الدین عیسیٰ بن الامام ابی علاء الدین محمد الجواد بن الامام علی الرضا بن الامام موسیٰ الکاظم بن الامام جعفر الصادق بن الامام محمد الباقر بن الامام علی زین العابدین بن الامام الحسین بن الامام علی المرتضیٰ۔[۱]

ولادت باسعادت: حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ﷺ ۴۷۰ھ/ ۱۰۷۷ء[۲] میں بمقام گیلان[۳] پیدا ہوئے۔ اگرچہ بعض مؤرخین نے آپ کا سن پیدائش ۴۷۱ھ[۴] بھی تحریر کیا ہے لیکن ۴۷۰ھ صحیح ہے اور اس پر تمام ثقہ مورخین کا اتفاق ہے۔[۵]

بچپن: آپ کی پیدائش کے فوراً بعد آپ کے والد گرامی حضرت سید ابو صالح موسیٰ جنگی دوست رحمۃ

۱: یونس الشیخ ابراہیم السامرانی، الشیخ عبدالقادر الگیلانی حیلتہ وآثارہ، بغداد۔ مکتبہ وطنیہ ۱۹۸۳ صفحہ ۶۔ غوث اعظم، جلاء الخاطر (مقدمہ از سید الشیخ محمد رئیس الطریقہ قادریہ) صفحہ ۵۔ ابراہیم عبدالغنی الدروبی، المختصر فی تاریخ شیخ الاسلام سیدنا عبدالقادر الگیلانی واولادہ، کراچی۔ طاہر علاء الدین قادری گیلانی عرص پشت عنوان کتاب۔ عبدالجلال، عرفان (اردو) بغداد، عبدالجلال ۱۹۷۹ء صفحہ ۲۵

۲: امام نورالدین علی الشنطوفی۔ بہجتہ الاسرار صفحہ ۸۸۔ امام عبداللہ یافعی، مراۃ الجنان صفحہ ۲۵۱۔ شیخ محمد یحییٰ التاذفی قلائد الجواہر اردو ترجمہ شمس بریلوی کراچی۔ مدینہ پبلشنگ کمپنی ۱۹۷۸ صفحہ ۴۶۷۔ ابن کثیر البدایہ والنہایہ اردو ترجمہ اختر فتح پوری کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۹ جلد ۱۲ صفحہ ۴۶۱۔ عمر رضا کحالہ، معجم المولفین، بیروت واحیاء اتراث عربی جلد ۵ صفحہ ۳۰۷۔ یونس الشیخ ابراہیم السامرانی، شیخ عبدالقادر گیلانی حلیہ وآثارہ صفحہ ۷۔ ابوالمظفر ظہیر الدین قادری، فتح المبین (عربی) صفحہ ۴

۳: گیلان: سفید رود (دریا) کوہستان کردستان کی ایک پہاڑی سے نکل کر شمال مشرق کی طرف بہتا ہے اور دائیں بائیں دونوں کناروں سے دیگر کئی دریاؤں کو شامل کرتا ہوا کوتم کے مقام پر بحیرہ خزر میں گر جاتا ہے اور یہاں پر ایک ڈیلٹا (دریا کے دہانے پر واقع تکونی زمین) پیدا کرتا ہے جس کی پشت پر کوہ البرز کا سلسلہ نظر آتا ہے۔ اس ڈیلٹا سے مراد گیلان کا مختصر سا صوبہ ہے جسے عرب جیل یا جیلان (یا کیلان) کہتے ہیں۔ جی لی اسٹرینج۔ جعفرافیہ خلافت مشرقی اردو ترجمہ محمد جمیل الرحمان، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۸۷ صفحہ ۲۲۱ تا ۲۲۴

۴: امام شمس الدین ذہبی، سیر اعلام النبلاء بیروت، موسستہ الرسالتہ ۱۴۰۵ھ ج ۲۰ ص ۴۳۹۔ عبدالرحمان جامی، نفحات الانس اردو ترجمہ شمس بریلوی، کراچی، مدینہ پبلشنگ ۱۹۸۲، ص ۷۵۶۔ ابن دمیاطی، المستفاذ من ذیل تاریخ بغداد، بیروت، دارالکتب علمیہ ج ۱۹، ص ۱۷۱۔

۵: عبدالجلال، عرفان صفحہ ۲۱

اللہ علیہ رحلت فرما گئے[۱] اور آپ کی دیکھ بھال کی تمام ذمہ داریاں آپ کی والدہ ماجدہ پر آن پڑیں جو بذات خود ولی کاملہ اور عظیم تر اسوہ حسنہ کا ایک اعلیٰ نمونہ تھیں۔ آپ نے اپنے ہونہار بیٹے کی رہنمائی و تربیت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا، بڑی محنت اور توجہ سے اپنے صاحبزادے کی پرورش فرمائی۔

حق گوئی وصداقت کا ایسا سبق دیا کہ بڑے بڑے خطرناک حالات میں بھی آپ نے سچائی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور اس مقولے کو سچ کر دکھایا کہ ایک اچھی ماں سو استادوں سے بہتر ہوتی ہے۔ بچپن میں جب کبھی آپ کے دل میں اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیلنے کا خیال پیدا ہوتا تو غیب سے ایک آواز آتی اے نیک سیرت میری طرف آ۔ چنانچہ آپ بھاگ کر والدہ محترمہ کی گود میں بیٹھ جاتے۔[۲]

ابتدائی تعلیم: آپ کی والدہ ماجدہ اپنے بیٹے کے اوصافِ حمیدہ سے بخوبی آگاہ ہو چکی تھیں اور خود ان کی بھی یہی خواہش تھی کہ اپنے لختِ جگر کو اسلامی تعلیم کے لیے وقف کر دیں۔ چنانچہ پانچ سال کی عمر میں آپ نے اپنے فرزندارجمند کو جیلان کے علماء اور مدرسین کے سپرد کر دیا۔ تقریباً اٹھارہ برس تک وہیں تعلیم پاتے رہے اور اس عرصے میں ناظرہ قرآن حکیم اور حفظ قرآن کے علاوہ عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔[۳]

ورودِ بغداد: حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ نے جیلان میں ابتدائی تعلیم کے حصول کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے بغداد جانے کا قصد فرمایا۔ بغداد ان دنوں سلطنت عباسیہ کا دارالخلافہ اور علوم وفنون کا مرکز تھا۔ چنانچہ آپ اپنی والدہ محترمہ سے اجازت لے کر بغداد روانہ ہوئے اور سفر کے دوران آپ کی سچائی وصداقت کی بنا پر ڈاکوؤں کا پورا گروہ آپ کے دست اقدس پر تائب ہوا اور از سرِ نو صحیح اسلامی زندگی کا آغاز کیا۔ یہ مشہور ومعروف واقعہ تاریخ وسیرت کی کتابوں میں تفصیل سے موجود ہے اور اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی عظیم ماں نے کس قدر عمدگی سے آپ کی تربیت فرمائی۔ حضرت پیرانِ پیر رضی اللہ عنہ

---

[۱]: ایضا عبدالجلال، عرفان صفحہ ۲۸

[۲]: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبارالاخیار، اردو ترجمہ محمد لطیف ملک، لاہور، مقبول اکیڈمی ۱۹۸ صفحہ ۴۷

[۳]: عبدالجلال، عرفان صفحہ ۲۹

اٹھارہ برس کی عمر میں بغداد تشریف لائے۔صاحب ''تاریخ بغداد'' نے آپ کی بغداد تشریف آوری کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

قدم بغداد فی ستہ ثمان و ثمانین و اربع مائتہ ولہ ثمانی عشرہ سنتہ[1]

یعنی آپ ۴۸۸ھ میں اٹھارہ سال کی عمر میں بغداد میں داخل ہوئے۔

حضرت پیرانِ پیر رضی اللہ عنہ نے اٹھارہ سال کے بعد اپنی باقی ساری زندگی اسی شہر بغداد شریف میں حصولِ علم وعرفان، ریاضت ومجاہدہ، تصنیف، تالیف، رشد وہدایت اصلاح وارشاد اور درس وتدریس میں بسر فرمائی[2]۔عصر حاضر کے ممتاز مؤرخ علامہ ابوالحسن علی ندوی نے آپ کے ورودِ بغداد پر اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

''یہی وہ سال ہے، جس سال امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تلاش حق وحصولِ یقین کے لیے بغداد کو خیر باد کہا تھا۔ یہ محض اتفاق نہیں کہ ایک جلیل القدر امام سے جب بغداد محروم ہوا تو دوسرے جلیل القدر مصلح اور داعی الی اللہ کا وہاں ورود ہوا''[3]

نیز ابوالحسن علی ندوی مزید لکھتے ہیں

''کہ جب آپ (رضی اللہ عنہ) بغداد (شریف) پہنچے تو عبادات ومجاہدات کی طرف طبعی کشش کے باوجود تحصیل علم میں مشغول ہو گئے اور ہر علم کو اس کے باکمال اساتذہ اور صاحب فن علماء سے حاصل کیا اور اس میں پوری دستگاہ حاصل کی''۔[4]

اساتذہ کرام: حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ نے مختلف علوم کے حصول کے لیے چوٹی کے علماء اور آئمہ وقت سے کسب علم کیا، آپ کے چند مشہور اساتذہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱: ابن دمیاطی، المستفاد من ذیل تاریخ بغداد جلد ۱۹ صفحہ ۱۶۹

۲: عبد الجلال، عرفان صفحہ ۲۶

۳: ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت، کراچی، مجلس نشریات اسلام، جلد ۱ صفحہ ۱۹۷

۴: ایضاً ابوالحسن علی ندوی تاریخ دعوت وعزیمت، صفحہ ۱۹۷

۱: ابوزکریا بن علی بن خطیب التبریزی: بغداد میں شعبہ ادب کی تدریس اور کتب خانے کے نگران تھے۔ ۵۰۲ھ میں وفات پائی۔[۱]

۲: ابوالوفا علی بن عقیل البغدادی: فقہ حنبلی کے معروف فقیہ تھے، متعدد کتابوں کے مصنف ہیں جن میں "الارشاد" اور "الفصول" مشہور ہیں ۵۱۳ھ میں انتقال فرمایا۔[۲]

۳: ابوغالب محمد بن الحسن الباقلانی: آپ غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے حدیث کے استاد ہیں۔[۳]

۴: ابی سعد محمد بن عبدالکریم بن خشیش: آپ سے بھی آنجناب نے حدیث شریف کا درس لیا۔[۴]

۵: ابی عثمان اسماعیل بن محمد بن مسلمۃ الاصبہانی بھی آنجناب کے استاد حدیث شریف ہیں۔[۵]

۶: ابومحمد جعفر بن احمد سراج المتوفی ۵۰۰ھ۔[۶]

شیوخ عظام: حضرت سیدنا غوث الثقلین رضی اللہ عنہ نے اپنے وقت کے دو جلیل القدر مشائخ عظام سے سلوک وطریقت کے اسرار ورموز اخذ کر کے کسب فیض کیا۔

۱: حضرت شیخ حماد الدباس: آپ بغداد کے بلند مرتبت مشائخ میں سے تھے، محبوب سبحانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ جوانی میں اکثر آپ کی صحبت کاملہ میں بڑے ہی ادب واحترام سے حاضر ہوتے اور سلوک ومعرفت کی ابتدائی تعلیم وتربیت آپ ہی سے حاصل فرمائی۔ آپ نے ایک دن جناب سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ پیشگوئی فرمائی کہ اس عجمی کا ایسا قدم ہے کہ اپنے وقت کے تمام اولیاء کی گردن پر ہو گا۔ آپ نے ۵۲۵ھ میں وصال فرمایا۔[۷]

۱: دائرہ معارف اسلامیہ (اردو) دانش گاہ پنجاب لاہور ۱۹۷۳، جلد ۱۲ صفحہ ۹۳۰

۲: ایضاً، دائرہ معارف اسلامیہ (اردو) جلد ۱۲ صفحہ ۹۳۰

۳: ابن دمیاطی، المستفاد من ذیل تاریخ بغداد، جلد ۱۹ صفحہ ۱۶۹، ۱۷۰

۴: امام شمس الدین ذہبی، سیر اعلام النبلاء جلد ۲۰ صفحہ ۴۴۰

۵: امام شمس الدین ذہبی، سیر اعلام النبلاء جلد ۲۰ صفحہ ۴۴۰

۶: امام شمس الدین ذہبی، سیر اعلام النبلاء جلد ۲۰ صفحہ ۴۴۰

۷: عبدالرحمان جامی، نفحات الانس صفحہ ۵۸۷

۲: حضرت قاضی ابوسعید المخزمی الحنبلی: فقہ حنبلی کے بہت بڑے فقیہ، عالم، فاضل اور اکابرین صوفیائے عراق میں سے تھے۔ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ نے آپ سے فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کے علاوہ سلوک و معرفت کی تکمیل بھی فرمائی اور آپ ہی کے دست اقدس پر خرقہ خلافت پہنا[۱]۔ آپ کا انتقال ۵۱۳ھ میں ہوا۔[۲]

مجاہدات وریاضات: حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے نفس کو انتہائی سخت مجاہدات وریاضت اور مشقت سے گزارا۔ پچیس سال تک عراق کے جنگلوں اور بیابانوں میں عبادت میں مشغول رہے۔ گیارہ سال تک برجِ بغداد میں یادالٰہی میں بسر کیے۔ چالیس برس تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرمائی۔[۳]

درس وتدریس اور افتاء: علومِ ظاہری وباطنی کی تکمیل کے بعد ۵۱۳ھ میں آپ نے اپنے مرشد ومعلم حضرت قاضی ابوسعید المخزمی کے مدرسہ میں درس وتدریس شروع فرمائی۔[۴] آپ کے معاصر اور ممتاز عالم دین ابن جوزی لکھتے ہیں

كان ابوسعد المخزمى قدبنى مدرسته لفيفته بباب الازج ففوضت الى عبدالقادر[۵]

یعنی (حضرت ابوسعد (سعید) المخزمی نے باب الازج کے مقام پر لطیفہ کے نام سے ایک دارالعلوم قائم فرمایا اسے (حضرت شیخ) عبدالقادر (رضی اللہ عنہ) کے سپرد کردیا۔

اس مدرسے میں آپ مختلف قسم کے تیرہ علوم کی تدریس کے فرائض سرانجام دیتے اور ساتھ ساتھ

۱: دائرہ معارف اسلامیہ (اردو) جلد ۱۲ صفحہ ۹۳۰

۲: ابراہیم عبدالغنی الدروبی، المختصر فی تاریخ شیخ الاسلام عبدالقادر واولادہ صفحہ ۳۹

۳: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار والاخیار صفحہ ۳۱

۴: سید ظہر الدین قادری، الفتح المبین صفحہ ۳۳

۵: امام شمس الدین ذہبی، سیر اعلام النبلاء جلد ۲۰ صفحہ ۴۴۱

دارالافتاء کا کام بھی آپ نے ہی سنبھال رکھا تھا۔ مختلف بلادِ اسلامیہ سے کثیر تعداد میں استفتاء آتے اور آپ حضرت امام احمد بن حنبل اور حضرت امام شافعی رحمت اللہ علیہما کے مذاہب کے مطابق فتویٰ دیتے۔[1]

ایک مرتبہ عراق کے علماء کی طرف سے ایک فتویٰ آیا جس پر علمائے عراق وعجم جواب دینے سے قاصر تھے۔ صورتِ مسئلہ یہ تھی کیا فرماتے ہیں علمائے سادات اس انسان کے بارے میں کہ جس نے اس شرط کے ساتھ اپنی بیوی پر تین طلاق کی قسم کھالی کہ اگر وہ ایسی عبادت خداوندی کرے جس میں ساری کائناتِ ارضی میں اس کا اس وقت کوئی شریک نہ ہوسکے۔ ایسے حالات میں اسے کون سی عبادت کرنا ضروری ہے اور اگر وہ نہ کر سکے تو کیا اس کی بیوی کو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

آپ نے بلا تامل جواب ارشاد فرمایا کہ وہ شخص فوری طور پر مکہ مکرمہ جائے، مطاف شریف کو خالی کر لیا جائے اور وہ تنہا طواف کرے۔ اس طرح اس پر قسم واقع نہ ہوگی۔[2] درس وتدریس اور افتاء کا یہ سلسلہ تینتیس سال تک جاری رہا۔[3]

اصلاح وارشاد: درس وتدریس کے علاوہ آپ نے عوام کی اصلاح وفلاح کے لیے رشد وہدایت کا سلسلہ بھی شروع فرمایا۔ آپ کے صاحبزادے حضرت سید شیخ عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد ہفتے میں تین بار وعظ فرماتے۔ جمعہ واتوار کے دن صبح کے وقت اور منگل کی رات کو۔ یہ سلسلہ ۵۲۱ھ کو شروع ہو کر ۵۶۱ھ تک چالیس سال جاری رہا۔[4]

سارا بغداد آپ کے مواعظ پر ٹوٹ پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی قبولیت عطا فرمائی جو بڑے بڑے بادشاہوں کو نصیب نہ ہوسکی۔ بادشاہ اور وزراء آپ کی مجلس میں نیازمندانہ حاضر ہوتے اور ادب سے بیٹھ جاتے، علماء وفقہا کا کچھ شمار نہ تھا، ایک ایک مجلس میں چار چار سو دواتیں شمار کی گئیں جو آپ کے ارشادات

[1]: دائرہ معارف اسلامیہ (اردو) جلد ۱۲ صفحہ ۹۳۱

[2]: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، زبدۃ الاثار اردو ترجمہ اقبال احمد فاروقی، مکتبہ نبویہ ۱۹۹۱ صفحہ ۹۴

[3]: سید ظہیر الدین قادری، الفتح المبین صفحہ ۳۳

[4]: ایضاً سید ظہیر الدین قادری، الفتح المبین صفحہ ۳۳

قلم بند کرنے کے لیے لائی جاتیں[۱]۔ بغداد شریف کے جو علماء و مشائخ آپ کی مجلس وعظ میں حاضر ہوتے ان میں سے چند اکابرین کے اسمائے گرامی یہ ہیں[۲]: حضرت شیخ بقا بن بطو، حضرت شیخ ابوسعید القیلوی (المتوفی ۵۵۷ھ)، حضرت شیخ علی الہیتی (المتوفی ۵۶۴ھ)، حضرت شیخ نجیب الدین عبدالقاہر سہروری (۴۹۰ھ۔ ۵۶۳ھ)، حضرت شیخ ابوحکیم بن دینار، حضرت شیخ ماجد الکردی (المتوفی ۵۶۴ھ)، حضرت شیخ مظفر البادری، حضرت قاضی ابویعلی محمد بن الفرا، حضرت قاضی ابوالحسین علی بن الدامغانی، حضرت امام ابوالفتح بن البناء وغیرھم۔

حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے معاصرین میں سے مشہور عالم ابن جوزی نے آپ کے مواعظ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے

"فتکلم علی الناس بلسان الوعظ و ظهر له صیت بالزهد و کان له سمت و صمت و ضاقت المدرسته بالناس فکان مجلس عند سور بغداد الی الرباط و یتوب عنده فی المجلس خلق کثیر أفعمر ت المدرسته و وسعت و تعصب فی ذالك العوام"[۳]

ترجمہ: لوگوں کو وعظ کی زبان میں تلقین فرماتے۔ آپ کا وجود زہد کی علامت تھا۔ آپ پاکیزہ روش کے مالک اور کم گو تھے۔ مدرسہ میں لوگوں کو وعظ و نصیحت شروع فرمائی پس لوگوں کے اژدھام کی وجہ سے جگہ تنگ ہو گئی اور شہر بغداد کی فصیل تک لوگ جمع ہو جاتے۔ ایک ایک مجلس میں کثرت سے لوگ آپ کے دست اقدس پر توبہ کرتے۔ چنانچہ کئی بار مدرسہ کو وسعت دی گئی لیکن اس کے باوجود لوگوں کے لیے جگہ ناکافی ہوتی۔

حضرت پیرانِ پیر رضی اللہ عنہ کے وعظ کی کوئی مجلس ایسی نہ تھی جس میں کوئی یہودی یا عیسائی دامن اسلام میں نہ آیا ہو۔ راہزن، چور، ملحد، بے دین اور بدعقیدہ لوگ آپ کی مجلس میں آ کر تائب ہوتے، یہودیوں

۱: ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت جلد ۱ صفحہ ۱۹۸

۲: سید ظہیر الدین قادری، الفتح المبین صفحہ ۳۲

۳: امام شمس الدین ذہبی، سر اعلام النبلاء جلد ۲۰ صحہ ۴۴۱

اور عیسائیوں میں سے پانچ سو کے قریب آپ کے دست اقدس پر اسلام لائے اور ایک لاکھ سے زیادہ چور اور قزاق (راہزن) تائب ہوئے۔[1]

سراپا اقدس: حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی ذاتِ ستودہ صفات حسن و جمال کا پیکر تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو حسن ظاہری اور جمالِ جسدی سے وافر حصہ عطاء فرمایا تھا۔ آپکے معاصرین اور مصاحبین نے آپ کا جو سراپا اقدس بیان کیا ہے سیرت کی کتابوں میں محفوظ ہے۔ حضرت امام نور الدین شطنوفی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''بہجۃ الاسرار'' میں آپ کا سراپا ان الفاظ میں تحریر کیا ہے

''اخبرنا قاضی القضاۃ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن الامام عماد الدین ابی اسحاق ابراھیم بن عبدالواحد المقدسی قال اخبرنا شیخنا الامام العالم الربانی موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ قال کان شیخنا شیخ الاسلام محی الدین ابو محمد عبدالقادر الجیلی نحیف البدن ربع القامۃ عریض الصدور و عریض اللحیۃ طویلھا اسمر اللون مقرون الحاجبین ادعج العبنین ذات صوت جھوری و سمت بھی و قدر علی و علم وفی رضی اللہ عنہ''[2]

ترجمہ: ہمیں خبر دی قاضی القضاہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن امام عماد الدین ابی اسحاق ابراہیم بن عبدالواحد مقدسی نے، اس نے کہا کہ ہمیں خبر دی ہمارے شیخ امام عالم ربانی موفق الدین ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ مقدسی نے، انہوں نے فرمایا کہ ہمارے شیخ شیخ الاسلام محی الدین ابومحمد عبدالقادر جیلی نازک جسم، درمیانے قد و قامت، کشادہ سینے، گھنی اور دراز ریش مبارک، سرخ و سفید رنگت، باریک و پیوستہ ابرو اور بلند و بارعب آواز کے مالک تھے جو دور ونزدیک والوں کو یوں سنائی دیتی جیسے آپ ان کے

۱: شیخ عبدالحق، زبدۃ الاثار صفحہ ۷۵

۲: امام نورالدین شطنوفی، بہجۃ الاسرار (عربی) صفحہ ۹۰

قرب وجوار میں تشریف فرما ہوں۔

اخلاق ومحامد: حضرت محبوبِ سبحانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ ظاہری وباطنی خوبیوں کے مظہراتم تھے۔اپنے جداعلیٰ سرورکونین جناب احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل اتباع کی بدولت آپ کے اخلاق وکردار حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کریمانہ کا بہترین نمونہ تھے۔آپ کے معاصرین آپ کے حسن واخلاق،تواضع وانکسار،جودوسخااورمناقب ومحامد بیان کرنے میں رطب اللسان ہیں۔

مفتی عراق محی الدین ابوعبداللہ محمد البغدادی کہتے ہیں

ابعد الناس عن الفحش اقرب الناس الی الحق شدید الناس اذا
انتھکت محارم اللہ عزوجل لا یغضب لنفسہ ولا ینتصر لغیر ربہ[1]

ترجمہ:(آپ) غیر مہذب بات سے انتہائی دور،حق اور معقول بات سے بہت قریب تھے اگرچہ احکام خداوندی اور حدودِالٰہی میں سے کسی پر دست درازی ہوتی تو آپ کو جلال آجاتا۔خود اپنے معاملے میں کبھی غصہ نہ فرماتے اور اپنے رب تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز کے لیے انتقام نہ لیتے۔

ابوظفر منصور بن مبارک واسطی فرماتے ہیں

”مارات عینای احسن من خلق الشیخ ولا اوسع صدر اولا
اکرم نفساً ولا اعطف قلباً ولا احفظ عھداً روداً ولقد کان مع
جلاتہ قدرہ وعلو منزلتہ وسعتہ علمہ یقف مع الصغیر ویوقر
الکبیر ویبداء بالسلام ویجالس الضعفاء ویتواضع للفقراء“[2]

ترجمہ: میری آنکھوں نے حضرت شیخ سے بڑھ کر کسی کو اتنا بااخلاق، کشادہ دل، کریم النفس، رقیق القلب، مہربان اور وعدوں کی پاسداری کرنے والا نہیں دیکھا۔آپ باوجود قدرومنزلت علومرتبت اور وسعت علم کے چھوٹوں پر شفقت فرماتے، بڑوں کی تعظیم کرتے،سلام میں سبقت لے جاتے، کمزوروں کو

۱: شیخ محمد یحییٰ تاذفی، قلائدالجواہر

۲: سید ظہیرالدین قادری، الفتح المبین صفحہ ۲۱

اپنے پاس بٹھاتے اور درویشوں کی تواضع فرماتے۔

مفسر قران و مؤرخ اسلام حافظ عماد الدین ابن کثیر رقم طراز ہیں

''آپ بڑے درویش، نیک، صالح اور متقی انسان تھے، لوگوں کو وعظ فرماتے جس سے لوگوں کو بہت فائدہ ہوا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سوا خاموش رہتے''[۱]

صاحب ''بہجتہ الاسرار'' نے آپ کے اخلاقِ عالیہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے

''اخبرنا ابو غالب فضل الله بن احمد بن بیان بن مرتضیٰ بن شکر الله الهاشمی البغدادی الکرخی قال اخبرنا الشیخ ابو الحسن علی بن سلیمان الخباز قال سمعت الشیخ اباالقاسم عمر البزاز یقول کانت الاوقات التی جالسنا فیها الشیخ عبدالقادر رضی الله عنه کانها المنام فلما استیقظنا فقدناها کانت اخلاقه رضیه و اوصافه زکیه و نفسه ابیه و کفه و قال یامر کل لیلته بمد السماط و یاکل مع الاضیاف و یجالس الضعفاء و یصبر علی طلبة العلم و لا یظن جلیسه ان او احدا اکرم علیه منه و یتفقد من غاب اصحابه و یسال عن شا نهم و یحفظ و دهم و یعفو عن سیاتهم و یصدق من حلف له منهم و یخفی علمه فیه و مارایت اشد حیاء منه''[۲]

ترجمہ: ہمیں خبر دی ابو غالب فضل اللہ بن احمد بن بیان بن مرتضیٰ ابن شکر اللہ الہاشمی بغدادی کرخی نے، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں خبر دی شیخ ابوالحسن علی بن سلیمان خباز نے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ ابو قاسم عمر بزاز سے سنا کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک زمانہ تھا کہ ہمیں بھی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی مجلس میں

۱: ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ جلد ۱۲ صفحہ ۴۶۱

۲: امام نور الدین شطنوفی، بہجتہ الاسرار صفحہ ۱۰۴

بیٹھنے کی سعادت حاصل تھی۔ گویا کہ وہ زمانہ ایک حسین خواب کی مانند تھا جس سے ہم بیدار ہو گئے۔ وہ سکون واطمینان پھر کبھی نصیب نہ ہو سکا۔ آپ نہایت پسندیدہ اخلاق، عمدہ اوصاف، پاکیزہ صفات اور کشادہ ہتھیلیوں کے مالک تھے یعنی فیاض تھے اور ہر رات وسیع دسترخوان لگانے کا حکم فرماتے اور سب مہمانوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے۔ غریبوں کو اپنے پاس بٹھاتے اور طلباء کو علم کے حصول کی رغبت دلاتے، آپ کے احباب میں سے ہر ایک یہی سمجھتا کہ میں آپ کے زیادہ قریب ہوں، آپ اپنے دوستوں کی بڑی قدر کرتے اور جو ان میں سے نہ آتا اس کے متعلق دریافت فرماتے اور ان کی مصروفیت پوچھتے، ان سے پیار وشفقت فرماتے، ان کی لغزشوں سے درگزر فرماتے اور دوسرے کی قسم کا یقین کرتے۔ اپنے علم کی نمائش نہ فرماتے اور میں نے آپ سے بڑھ کر حیادار کسی دوسرے کو نہیں دیکھا۔

امام سمعانی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مناقب یوں بیان کرتے ہیں

''هو امام الحنابلة وشيخهم في وعصره فقيه صالح دين خير كثير الذكر دائم الفكر سريع الدمعه''[1]

ترجمہ: وہ اپنے زمانہ میں حنابلہ کے امام اور شیخ ہیں۔ فقیہ، صالح دیندار، بہت زیادہ نیکی کرنے والے، کثرت سے ذکر کرنے والے، ہمیشہ مراقبہ میں رہنے والے اور بہت زیادہ آنسو بہانے والے ہیں۔

حضرت امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

''امت محمدیہ میں جتنی ہستیاں گزری ہیں ان میں وہ صفات موجود نہیں جو غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی بابرکت شخصیت میں موجود ہیں۔''[2]

الغرض آپ اخلاقِ حسنہ کی جملہ صفات، صدق وصفا، جود وسخا، عدل وانصاف، زہد وتقویٰ، امانت و دیانت، صبر وتحمل، عجز وانکساری، عبادت وریاضت، ذکر وفکر، حق گوئی اور خدمت خلق سے بدرجہ کمال متصف تھے۔

۱: عبدالحئی ابن العماد الحنبلی، شذرات الذہب، بیروت، دار الآفاق الجدیدہ جلد ۴ صفحہ ۹۸

۲: امام شعرانی، کتاب الاحباب بحوالہ عبدالجلال، عرفان صفحہ ۵۰

غوثِ اعظم اور حکومت وقت: حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ نے تہتر سال بغداد شریف میں بسر فرمائے اور اس عرصہ میں درج ذیل پانچ عباسی خلفاء نے یکے بعد دیگرے مسند خلافت سنبھالی۔

(۱) مستظہر باللہ (۴۸۷ھ تا ۵۱۵ھ) (۲) مسترشد باللہ و (۵۱۵ھ تا ۵۲۹ھ)

(۳) راشد باللہ (۵۲۹ھ تا ۵۳۰ھ) (۴) المقتفی لامر اللہ (۵۳۰ھ تا ۵۵۵ھ)

(۵) المستنجد باللہ (۵۵۵ھ تا ۵۶۶ھ)

آپ نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے ہوئے ان خلفاء اور ان کے امراء ووزراء کی کبھی پرواہ نہیں کی اور نہایت ہی جرات وصاف گوئی کے ساتھ علی الاعلان ان کے برے افعال اور غلط فیصلوں کی مذمت فرمائی۔ ایک دفعہ خلیفہ المقتفی لامر اللہ نے ابوالوفا یحییٰ بن سعید بن مظفر کو قاضی بنادیا جو اپنے جبر استبداد کی وجہ سے عوام الناس میں "ابن المراجم الظالم" کے لقب سے مشہور تھا۔

چنانچہ آپ نے اس تقرری کی سخت مخالفت فرمائی اور برسر منبر خلیفہ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "تم نے مسلمانوں پر ایک ایسے شخص کو حاکم بنادیا ہے جو اظلم الظالمین ہے۔ کل کو قیامت کے دن جب تم اس رب العالمین کے حضور پیش ہو گے جو ارحم الراحمین ہے تو کیا جواب دو گے؟ خلیفہ کو جب علم ہوا تو اس پر لرزہ طاری ہو گیا اور اس نے فی الفور ابوالوفا کو قضاء کے منصب سے ہٹا دیا۔[۱]

شادی: حضرت پیرانِ پیر رضی اللہ عنہ نے علوم ظاہری وباطنی کے حصول کے بعد شادی کرنے میں جلدی نہیں کی۔ صبر وتحمل سے کام لیتے ہوئے ریاضت اور درس وتدریس میں مصروف رہے یہاں تک کہ وقت معین آ گیا تو حضرت امام الانبیاء حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بنفس نفیس آپ کو شادی کا حکم فرمایا۔ امام الصوفیاء سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے بانی حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردرحمۃ اللہ علیہ آپ کی شادی کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں

"حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے اس وقت تک نکاح نہیں کیا جب تک کہ

۱: شیخ محمد یحییٰ تاذفی، قلائدالجواہر صفحہ ۸

جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد نہیں فرمایا اور حکم نہیں دیا پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار بیویاں عطا فرمائیں۔ ان میں سے ہر ایک جناب غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی مرضی اور منشاء کے مطابق نکلیں پس یہ ثمرہ آپ کے اس صبر جمیل کا ہے جو شادی کرنے کے سلسلے میں آپ نے کیا''۔[۱]

اولاد امجاد: حضرت غوث اعظم کثیر العیال تھے۔ آپ کے صاحبزادے حضرت سید عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

''ولد والدی تسعاً و اربعین ولد اسبع وعشرون زکور اوالباقی اناثا رحمہ اللہ''[۲]

ترجمہ: میرے والد بزرگوار کے انچاس بچے تھے جس میں سے ستائیس لڑکے اور باقی لڑکیاں تھیں۔

آپ کی تمام اولاد صاحب کمال اور صاحب فضیلت تھی۔ ان میں سے تیرہ صاحبزادے خصوصاً علوم ظاہری و باطنی میں تازیست اپنے والد گرامی کے نقش قدم پر چلتے رہے اور انہوں نے اسلام کی خدمت میں نمایاں کارنامے انجام دیئے، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔[۳]

۱: حضرت الشیخ سید عبد الرزاق (المتوفی ۶۰۳ھ)

۲: حضرت الشیخ السید ابو بکر عبد العزیز (۵۳۲ھ۔ ۶۰۴ھ)

۳: حضرت الشیخ السید ابراہیم (المتوفی ۵۹۲ھ)

۴: حضرت الشیخ السید محمد (المتوفی ۶۰۰ھ)

۵: حضرت الشیخ السید عبد الجبار (المتوفی ۵۷۵ھ)

۶: حضرت الشیخ السید عبد الرحمن (المتوفی ۵۸۷ھ)

۱: شہاب الدین سہرورد، عوارف المعارف اردو ترجمہ شمس بریلوی، کراچی، مدینہ پبلشنگ کمپنی ۱۹۸۹ صفحہ ۳۱۳

۲: ابن دمیاطی، المستفاد من ذیل تاریخ بغداد جلد ۱۹ صفحہ ۱۷۱

۳: یونس شیخ ابراہیم سامرانی، الشیخ عبد القادر الگیلانی حلیتہ وآثارہ، صفحہ ۳۳،۳۵

۷: حضرت الشیخ السید عبدالوہاب (المتوفی ۵۹۳ھ)

۸: حضرت الشیخ السید عبداللہ (المتوفی ۵۸۹ھ)

۹: حضرت الشیخ السید عیسیٰ (المتوفی ۵۷۳ھ)

۱۰: حضرت الشیخ السید موسیٰ (المتوفی ۶۱۸ھ)

۱۱: حضرت الشیخ السید یحییٰ (المتوفی ۶۰۰ھ)

۱۲: حضرت الشیخ السید صالح

۱۳: حضرت الشیخ السید عبدالغنی

تصانیف: حضرت امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پیرانِ پیر رضی اللہ عنہ کی تمام کتب اور تالیفات جو مختلف علوم میں ہیں ان کی تعداد تیس زیادہ ہے[۱]۔ لیکن ان میں سے جن کتابوں کا ذکر مختلف مآخذ میں ملتا ہے ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور کے دائرہ معارف اسلامیہ میں درج ذیل پندرہ کتابوں کی فہرست دی گئی ہے[۲]

۱۔ الغنیۃ الطالبی طریق الحق
۲۔ الفتح الربانی والفیض الرحمانی
۳۔ الفیوضات الربانیہ فی الاوراد القادریہ
۴۔ فتوح الغیب
۵۔ حزب البشائز الخیرات
۶۔ تحفۃ المتقین
۷۔ حزب الرجاء والانتھا
۸۔ الرسالۃ الغوثیہ
۹۔ الکبریت الاحمر فی الصلوۃ علی النبی
۱۰۔ مراتب الوجود
۱۱۔ یواقیت الحکم
۱۲۔ معراج لطیف المعانی
۱۳۔ جلاء الخاطر فی الباطن والظاہر
۱۴۔ سرالاسرار ومطہر الانوار فیما یحتاج الیہ الابرار
۱۵۔ آداب السلوک ولتوصل الی منازل الملوک

علاوہ ازین علامہ رشید رضا نے قرآن مجید کی تفسیر کے ایک خطی نسخے کا بھی ذکر کیا ہے جو کہ مفتی

۱: عبدالجلال، عرفان صفحہ ۵۰

۲: دائرہ معارف اسلامیہ اردو جلد ۱۲ صفحہ ۹۳۲

طرابلس (شام) کے کتب خانے میں موجود ہے۔[1]

کرامات: حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کی کرامات بے حد و بے حساب ہیں۔ حضرت امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی کرامات کے متعلق اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں

''واما کراماتہ فخارجہ عن الحصر و قد اکبرنی من ادرکت من اعلام الائمہ الا کابران کرامات تواترت او قریب من التواتر و معلوم بالاتفاق انہ لم یظہر کراماتہ لغیرہ من شیخ الافاق''[2]

ترجمہ: اور آپ کی کرامات شمار سے باہر ہیں اور مجھے ان لوگوں نے خبر دی جو زمانے کے مشہور امام اور اکابرین سے ہیں کہ آپ کی کرامات متواتر یا تواتر کے قریب ہیں اور اس بات پر سب متفق ہیں کہ اس کائنات میں کسی دوسرے شیخ طریقت سے آپ جیسی کرامات ظہور میں نہیں آئیں۔

حضرت شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام (۵۷۸ھ ۶۶۰ھ) فرماتے ہیں

''ما نقلت کرامات احد بالتواتر شیخ عبدالقادر''[3]

ترجمہ: حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے سوا کسی ایک کی کرامات تواتر کے ساتھ نقل نہیں کی گئیں۔

استقامت فی الدین: آپ کی ذات اقدس عزم و استقامت کے ایک غیر متزلزل پہاڑ کی مانند تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباعِ کاملہ کی بدولت آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے استقامت دین کے اس ارفع و اعلیٰ مقام پر فائز فرمادیا تھا جہاں سے شیطان کے بس میں نہیں تھا کہ وہ اپنے مکروفریب کے ذریعے دھوکہ دے سکے۔

ایک مرتبہ شیطان بادل بن کر آپ کے سامنے آیا اور اس میں سے ایک نورانی صورت ظاہر ہوئی جس کے نور سے تمام افق روشن ہوگیا اور آواز آئی ایک عبدالقادر میں تمہارا رب ہوں، میں نے تمہارے

[1]: ایضاً دائرہ معارف اسلامیہ اردو جلد ۱۲ صفحہ ۹۳۲

[2]: امام یافعی، مراۃ الجنان، حیدرآباد دکن، دائرہ معارف نظامیہ، ۱۳۳۸ھ جلد ۳ صفحہ ۳۵۶

[3]: عبدالحیٔ ابن عماد الحنبلی، شذرات الذہب جلد ۲ صفحہ ۲۰۰

لیے تمام حرام چیزیں حلال کر دی ہیں۔ چنانچہ آپ نے فوراً **اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم** پڑھ کر ارشاد فرمایا کہ اے لعنتی مجھ سے دور ہو جا۔ چنانچہ وہ نور ظلمت میں بدل گیا اور اس صورت سے دھواں نکلنے لگا۔ پھر آواز آئی ایک عبدالقادر تیرے علم وتفقہ نے تجھے بچا لیا حالانکہ میں نے اب تک ستر اولیاء کو اس طرح گمراہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے میرے علم نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل نے بچایا ہے۔[1]

وصال: حضرت پیرانِ پیر غوث اعظم دستگیر رضی اللہ عنہ نے ۹۱ برس کی عمر میں ۱۰ ربیع الثانی ۵۶۱ھ/ ۱۱۶۶ء میں وصال فرمایا[2]۔ نمازِ جنازہ آپ کے صاحبزادے حضرت سیدنا شیخ عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی اور آپ کا جسد اطہر باب الازج (بغداد شریف) کے مدرسے میں دفن کیا گیا[3]۔ آپ کا مزار اقدس فیوض و برکات کا سرچشمہ اور مرجع الخلائق ہے۔ آج بھی دنیا بھر سے عقیدتمند کثیر تعداد میں آپ کے روضہ اقدس کی زیارت کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔

غوث اعظم اور سلسلہ عالیہ قادریہ: دنیائے اسلام میں تبلیغ واشاعت کے لیے اٹھنے والی تحریکوں میں تصوف کی تحریک سب سے زیادہ منظم، کامیاب اور دیرپا اثرات کی حامل ثابت ہوئی اور پھر سلاسل تصوف میں سلسلہ عالیہ قادریہ کو تمام بلادِ اسلامیہ میں انتہائی شہرت اور پذیرائی حاصل ہوئی۔ حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی زیر نگرانی دین اسلام کے سچے داعیوں اور نفوس اخلاق کے مرجیوں کی ایک ایسی قدوسی جماعت تیار فرمائی جنہوں نے آپ کے بعد بھی انتہائی منظم طریقے سے آپ کے مشن کو جاری رکھا اور آپ کی جلائی ہوئی نورانی مشعل کو لے کر دنیا بھر سے گمراہی وضلالت اور غفلت و مادیت کے اندھیروں کو دور کرتے رہے۔ مؤرخ ہند علامہ ابوالحسن علی ندوی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

> ''دین کے مخلص داعیوں نے اپنے اپنے وقت میں احیاء وتجدید دین اور اصلاح مسلمین کا کام کیا ہے اور لاکھوں بندگانِ خدا کو حقیقت ایمان اور درجہ احسان تک

---

[1]: شیخ محمد یحییٰ تاذفی، قلائد والجواہر صفحہ ۲۷

[2]: ایضاً شیخ محمد یحییٰ تاذفی، قلائد الجواہر صفحہ ۲۱

[3]: ابن دمیاطی، المستفاذ ذیل تاریخ بغداد، جلد ۹ صفحہ ۱۷۱

پہنچا دیا ہے۔ اس سلسلہ زرین کے سر حلقہ اور گل سر سبد حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کا نام اور کام اس طب نبوی کی تاریخ میں سب سے زیادہ روشن و نمایاں ہے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی محبوب و دلآویز شخصیت، خدادادروحانی کمالات، فطری علو استعداد اور ملکہ اجتہاد سے اس طریقہ کو نئی زندگی بخشی، وہ نہ صرف اس سلسلہ کے ایک نامور امام اور ایک مشہور سلسلہ عالیہ قادریہ کے بانی ہیں بلکہ اس فن کی نئی تدوین و ترتیب کا سہرا آپ ہی کے سر ہے اور آپ کے بعد آپ کے مخلص خلفاء اور باعظمت اہل سلسلہ نے تمام ممالک اسلامیہ میں دعوت الی اللہ اور تجدید ایمان کا یہ سلسلہ جاری رکھا جن سے فائدہ اٹھانے والوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بیان نہیں کرسکتا''۔[۱]

پشاور میں سلسلہ عالیہ قادریہ کا فیضان : حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت سید عبدالرزاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی چودھویں پشت میں جناب سیدنا عبداللہ شاہ صاحب گیلانی المعروف صحابی بابا رحمۃ اللہ علیہ دسویں صدی ہجری میں سندھ تشریف لائے اور ٹھٹھہ کو اپنی دینی و روحانی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ آپ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت سید فاضل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۱۷ھ) نے کشمیر میں قیام فرمایا جبکہ بڑے صاحبزادے حضرت ابو البرکات سید حسن صاحب قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے مطابق پشاور میں رونق افروز ہوئے اور سلسلہ عالیہ قادریہ کے فیضان کو عوام وخواص تک پہنچاتے ہوئے ۱۱۱۵ھ میں وصال فرمایا۔

بعد میں آپ کی اولاد نے انتہائی احسن طریقے سے اس سلسلہ کو جاری رکھا۔ ان شاء اللہ آئندہ بھی ان کی تصنیفات اور کتابوں سے دینی اور علمی حلقے مستفید اور فیض یاب ہوتے رہیں گے۔ اس گئے گزرے زمانے میں جو انہوں نے جس احسن طریقہ سے دینی اور علمی خدمات سرانجام دی ہیں یہ انہی کا خاصہ ہے۔

(باقی صفحہ ۶۳ پر ملاحظہ فرمائیے)

۱: ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت صفحہ ۲۲۰، ۲۲۱

سلطان عبد القادر است

شیخ ناصر علی سرہندی رحمہ اللہ

سرتاجِ پیراں پیر من سلطان عبد القادر است
ماہِ منور میر من سلطان عبد القادر است

ہم پیر من ہم میر من ہم در دلِ تحریرِ من
ہم بر زباں تقریر من سلطان عبد القادر است

چون خاطرِ دلگیر من گردد کند تدبیرِ من
صد رحمت بر پیر من سلطان عبد القادر است

ہم سرور و سالارِ دیں ہم رہبرِ راہِ یقین
ہم صاحب تاج و نگیں سلطان عبد القادر است

ہم سرورِ اہلِ صفا ہم مظہرِ نورِ خدا
ہم نورِ چشمِ مرتضیٰ سلطان عبد القادر است

صاحب کریمان و کرم مرشد مکمل محترم
ہم در عرب ہم در عجم سلطان عبد القادر است

شاہِ ولایت شاہِ ما شاہِ شفاعت خواہِ ما
شمع شبستاں راہِ ما سلطان عبد القادر است

مقبولِ درگاہِ خدا منظورِ در ہر دُو سرا
مشہور در ارض و سما سلطان عبد القادر است

سرتاج دارانِ جہان زیرِ قدم قُطب زمان
شاہنشہِ عالی مکاں سلطان عبد القادر است

روشن تر از شمس و قمر در بحر و بر در خشک و تر
صاحب ولایت سر بسر سلطان عبد القادر است

گوہر ز دُرجِ مصطفیٰ سروِ ز باغِ لافتیٰ
سر دفتر کل اولیاء سلطان عبد القادر است

چشم و چراغِ مرتضیٰ فرزندِ حسن المجتبیٰ
نسل شہید کربلا سلطان عبد القادر است

ابر عطا بحر سخا کانِ حیا مشکل کشا
شمس الضحیٰ بدرالدجیٰ سلطان عبد القادر است
حکم تو در ہر دُو جہاں، قطب زماں کہف اماں
ناصر معین بیکساں سلطان عبد القادر است

ذات احدیت کی معرفت [۱]

مترجم: ظفر اقبال کلیار (فاضل بھیرہ شریف)

بصرت روح کی آنکھ ہے جو اولیاء کے لیے مقام جان میں کھلتی ہے۔ یہ آنکھ ظاہری علم سے وا نہیں ہوتی، اس کے لیے عالم لدنی چاہیے جو باطن سے تعلق رکھتا ہے۔ رب قدوس کا ارشاد ہے

وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾ (الکھف)

ترجمہ: اور ہم نے سکھایا تھا اسے اپنے پاس سے (خاص) علم۔

انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اہل بصیرت کی یہ آنکھ کسی ولی صاحب تلقین عالم لاہوت سے باخبر مرشد کامل کے ذریعے حاصل کرے۔ اے بھائیو! ہوش میں آؤ اور توبہ کر کے اپنے رب کی بخشش کی طرف دوڑو۔ اس راہِ سلوک میں داخل ہو جاؤ اور روحانی قافلوں کے ساتھ اپنے رب کی طرف لوٹ جاؤ، قریب ہے کہ راستہ منقطع ہو جائے اور کوئی ہم سفر نہ رہے۔ یاد رکھو ہم اس کمینی دنیا کو بسانے نہیں آئے، ہمیں اس خرابات سے آخر کوچ کرنا ہے۔ دوستو! ہمیں خواہشاتِ نفس کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔ دیکھو تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے لیے چشم براہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وغَمِّی لأجلِ أُمتی الذینَ یَکونونَ فی آخرِ الزمانِ (معجم الشیوخ لابن عساکر)

ترجمہ: میں اپنی امت کے ان لوگوں کے لیے غمگین ہوں جو آخری زمانہ میں ہوں گے۔

جو علم ہمیں بارگاہِ خداوندی سے عطا فرمایا گیا ہے اس کی دو قسمیں ہیں: علم ظاہر اور علم باطن یعنی شریعت اور معرفت۔ شریعت کا حکم ظاہر پر لاگو ہوتا ہے اور معرفت کا حکم باطن پر۔ ان دونوں علوم کو نازل کرنے کا مقصد علم حقیقت کو پانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿۱۹﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿۲۰﴾ (الرحمٰن)

---

[۱] اسرار الاسرار، حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ، مطبع زاویہ فاؤنڈیشن لاہور، ۲۰۰۰ء۔

ترجمہ: اس نے رواں کیا ہے دونوں دریاؤں کو جو آپس میں مل رہے ہیں۔ ان کے درمیان آڑ ہے، آپس میں گڈ مڈ نہیں ہوتے۔

صرف علم ظاہری سے علم حقیقت تک رسائی نہیں ہوسکتی اور نہ ہی مقصود آ سکتا ہے۔ کامل عبادت کے لیے علم ظاہری اور علم باطنی کی تحصیل ضروری ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ (الذاریات)

ترجمہ: اور نہیں پیدا فرمایا میں نے جن وانس کو مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔

"میری عبادت کریں" سے مراد یہ ہے کہ میری معرفت حاصل کریں کیونکہ معرفت کے بغیر عبادت ممکن ہی نہیں۔ معرفت کے حصول کا صرف ایک ذریعہ ہے کہ انسان آئینہ دل سے حجاب نفس کو ہٹا دے۔ جب حجاب سرک جاتا ہے تو انسان دل کی گہرائیوں میں چھپے راز کے حسن کو اس آئینے میں عیاں دیکھتا ہے جیسا کہ حدیث قدسی ہے

كُنْتُ كَنْزاً مَخْفِياً فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرِفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِكَیْ اُعْرِفَ

ترجمہ: میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں سو میں نے مخلوق کو پیدا کیا کہ میری معرفت حاصل ہو جائے۔

جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی بتا دیا کہ تخلیق آدم کی وجہ معرفت خداوندی ہے تو پھر انسان پر لازم ہے کہ وہ معرفت حاصل کرے۔ معرفت کی دو قسمیں ہیں: معرفت صفات اور معرفت ذات۔ معرفت صفات دارین میں جسم کے لیے خیر و فضل ہے اور معرفت ذات آخرت میں روح قدسی کے لیے نعمت ثابت ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ﴿۸۷﴾** (البقرہ) یعنی اور ہم نے تقویت دی اسے روح القدس سے۔

عارفین روح القدس سے موید ہوتے ہیں۔ معرفت کی یہ دونوں قسمیں صرف اسی وقت حاصل ہو سکتی ہیں کہ انسان دونوں علم یعنی علم ظاہر اور علم باطن کو حاصل کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے

اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ عِلْمٌ بِاللِّسَانِ وَذَالِكَ حُجَّةُ اللهِ تَعَالٰى عَلٰى ابْنِ آدَمَ وَعِلْمٌ بِالْجَنَانِ

فَذَالِكَ الْعِلْمُ النَّافِعُ

ترجمہ: علم کی دو قسمیں ہیں: علم لسانی اور علم کی یہ قسم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابن آدم پر حجت ہے اور دوسری قسم علم جنانی ہے اور یہ دوسری قسم ہی علم نافع ہے۔

سب سے پہلے انسان کو علم شریعت کی ضرورت ہے۔ روح اس علم کے ساتھ جوارح کے کسب کو حاصل کرتی ہے۔ جوارح کا کسب درجات ہیں (ثواب) اس کے بعد اسے علم باطن کی ضرورت پڑتی ہے اور اس علم کے ذریعے روح علم معرفت میں معرفت خداوندی کے کسب کو حاصل کرتی ہے۔ علم معرفت کے حصول کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ انسان ان رسوم کو ترک کر دے جو شریعت اور طریقت کے مخالف ہیں اور نمود و نمائش سے بچتے ہوئے صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے نفسانی اور روحانی ریاضتوں کو قبول کر لے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (الکھف: ۱۱۰)

ترجمہ: پس جو شخص امید رکھتا ہے اپنے رب سے ملنے کی تو اسے چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو۔

عالم معرفت یعنی عالم لاہوت انسان کا اصلی وطن ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اس عالم میں روح قدسی کی بہترین اعتدال پر تخلیق ہوئی۔ روح قدسی سے مراد انسانِ حقیقی ہے۔ انسانِ حقیقی کا اظہار صرف اسی وقت ہوتا ہے جب توبہ کی جائے اور تلقین پر عمل کیا جائے۔ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا لزوم انسان حقیقی کے وجود کو ظاہر کر سکتا ہے بشرطیکہ یہ ذکر پہلے زبان سے، پھر حیاتِ قلبی سے اور پھر لسانِ جنان سے کیا جائے۔ انسانِ حقیقی یا روحِ قدسی کا دوسرا نام طفل معانی ہے کیونکہ اس کا تعلق قدسی معنویات سے ہے۔ اسے طفل کہنے کی کئی وجوہات ہیں۔

۱: پہلی وجہ تو یہ ہے کہ روحِ قدسی قلب سے تولد ہوتی ہے جس طرح بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے۔ ماں کی طرح اس کی پرورش قلب کرتا ہے۔ پھر بچے کی طرح روح قدسی پرورش پاتی ہے حتیٰ کہ بلوغت کی عمر کو پہنچ جاتی ہے۔

۲: دوسری وجہ یہ ہے کہ تعلیم کا سلسلہ اکثر بچپن میں ہوتا ہے۔ بچوں کی طرح روحِ قدسی کو معرفت کی اکثر تعلیم دی جاتی ہے۔

۳: جس طرح بچہ گناہ کی آلائشوں سے پاک ہوتا ہے اسی طرح روحِ قدسی بھی گناہ، شرک، غفلت اور جسمانیت سے پاک ہوتی ہے۔

۴: جس طرح بچہ پاکیزہ صورت ہے اسی طرح روح قدسی بھی پاکیزہ صورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خواب میں ملائکہ یا دوسری پاک چیزیں بچے کی مثالی صورت میں نظر آتی ہیں۔

۵: اللہ تعالیٰ نے ابنائے جنت کو طفولیت کے وصف سے متصف فرمایا ہے، جیسا کہ ارشاد گرامی ہے

يَطُوفُ عَلَيۡهِمۡ وِلۡدَانٞ مُّخَلَّدُونَ ۱۷ (الواقعه)

ترجمہ: گردش کرتے ہوں گے ان کے اردگرد نوخیز لڑکے جو ہمیشہ ایک جیسے رہیں گے۔

غِلۡمَانٞ لَّهُمۡ كَأَنَّهُمۡ لُؤۡلُؤٞ مَّكۡنُونٞ ۲۴ (الطور)

ترجمہ: ان کے غلام (بچے) (اپنے حسن کے باعث) یوں معلوم ہوں گے گویا وہ چھپے موتی ہیں۔

۶: روح قدسی کو یہ نام لطافت اور نظافت کی وجہ سے دیا گیا ہے۔

۷: یہ اطلاق مجازی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا تعلق بدن سے ہے اور یہ انسان کے ساتھ صورت میں مماثلت رکھتا ہے۔ اب روح قدسی کا طفل معانی پر اطلاق اس بنا پر ہے کہ بچے میں ملاحت ہوتی ہے۔ یہ اطلاق صغرسنی کی وجہ سے نہیں ہے اور اس اطلاق کی دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے۔ شروع میں روحِ قدسی کی صورت اس سے ملتی ہے۔ بہر حال روحِ قدسی یا طفل معانی انسانِ حقیقی ہے کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسیت حاصل ہے۔ جسم اور جسمانی طفل معانی کے محرم نہیں ہیں جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے

لِيْ مَعَ اللهِ وَقْتٌ لَا يَسَعُ فِيْهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ

ترجمہ: بارگاہِ خداوندی میں مجھے ایک ایسا وقت بھی حاصل ہوتا ہے کہ جس میں نہ تو کسی مقرب فرشتے کی گنجائش ہوتی ہے اور نہ نبی مرسل کی۔

نبی مرسل سے مراد نبی کریم ﷺ کی بشریت اور مقرب فرشتے سے مراد حضور ﷺ کی روحانیت جو کہ نورِ جبروت سے تخلیق ہوئی ہے جیسے فرشتے نورِ جبروت سے ہیں اسی لیے یہ فرشتے نور لاہوت میں داخل نہیں ہو سکتے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا

اَنَّ لِلّٰهِ جَنَّةٌ لَا فِيْهَا حُوْرٌ وَلَا قُصُوْرٌ وَلَا جِنَانٌ وَلَا عَسَلٌ وَلَا لَبَنٌ بَلْ يُنْظَرُ اِلٰى وَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰى

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک ایسی جنت بھی ہے جس میں نہ حور و قصور ہیں اور نہ باغ و بہار نہ شہد (کی نہریں ہیں) اور نہ دودھ (کے چشمے) وہاں صرف دیدارِ الٰہی کی دولت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ (القیامۃ)

ترجمہ: کئی چہرے اس روز ترو تازہ ہوں گے، اپنے رب کے (انوار جمال) کی طرف دیکھ رہے ہوں گے

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ (سنن الترمذی) یعنی عنقریب تم اپنے رب کو اسی طرح (عیاں) دیکھو گے جس طرح چودھویں رات کے اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔

اگر فرشتہ اور جسمانیت اس عالم میں داخل ہوں تو جل جائیں جیسا کہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے لَوْ كَشَفَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِيْ جَلَالِيْ لَاِ حْتَرَقَ كُلُّ مَا مَدَّ بَصَرِيْ اسی طرح حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا اگر میں انگلی کے پورے کے برابر بھی آگے بڑھوں گا تو جل جاؤں گا۔

یہ کتاب کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے حروف کے عدد کے برابر چوبیس فصلوں پر مشتمل ہے۔ رات دن کی بھی چوبیس گھڑیاں ہیں۔ اس مناسبت سے کتاب کی فصلیں بھی چوبیس ہیں۔

پہلی فصل

انسان کی وطن اصلی کی طرف واپسی: انسان کی دو قسمیں ہیں، جسمانی اور روحانی۔ جسمانی انسان عام ہے اور روحانی خاص۔ روحانی انسان تو احرام باندھے اپنے اصلی وطن کی طرف یعنی

قربت خداوندی کے حصول کی راہ میں گامزن ہے۔ جسمانی انسان کی واپسی کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ وہ درجات کی طرف رجوع کرے۔ شریعت وطریقت اور معرفت پر بلا نمود وریا عمل پیرا ہو کر ثواب حاصل کرے کیونکہ درجات (ثواب) کے تین طبقے ہیں۔ پہلا طبقہ عالم الملک میں جنت اور یہ جنت الماویٰ ہے۔ دوسرا طبقہ عالم الملکوت کی جنت، اسے جنت النعیم کہتے ہیں اور تیسرا طبقہ عالم الجبروت کی جنت، یہ جنت الفردوس ہے۔ یہ نعمتیں جسمانیت کے لیے ہیں، ان عوامل تک جسمانیت اس وقت تک نہیں پہنچ سکتی جب تک کہ تین علوم کو حاصل نہ کرلے یعنی علم شریعت، علم طریقت اور علم معرفت جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے

اَلْحِکْمَۃُ الْجَامِعَۃُ مَعْرِفَۃُ الْحَقِّ وَالْعَمَلُ بِھَا مَعْرِفَۃُ الْبَاطِنِ

ترجمہ: کامل دانائی حق تعالیٰ کی معرفت ہے اور اس کے مطابق عمل پیرا ہونا باطن کی معرفت ہے۔

اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ کا ایک اور ارشاد گرامی ہے

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ

ترجمہ: اے اللہ ہمارے سامنے حق کو واضح فرما اور اس کی پیروی کی توفیق دے اور باطل کو باطل کر کے دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق بخش دے۔

اسی طرح رسول کریم ﷺ کا ایک اور ارشاد گرامی ہے

مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ وَخَالَفَھَا فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ وَتَابَعَہٗ

ترجمہ: جس نے اپنے نفس کو پہچانا اور اس کی مخالفت کی تو اس نے یقیناً اپنے رب کو پہچان لیا اور اس کی فرماں برداری کی۔

انسانِ خاص کا اپنے وطن یعنی قربت کی طرف رجوع اور رسائی علم حقیقت کے ذریعے ہی ممکن ہے، علم حقیقت عالم لاہوت میں توحید ہے۔ دنیا میں اللہ کی یکتائی کا عقیدہ ہے اور یہ مقام سوتے جاگتے عبادت سے حاصل ہوتا ہے بلکہ جسم پر جب نیند طاری ہو جاتی ہے تو دل کو زیادہ فرصت ملتی ہے اور وہ اپنے وطن اصلی کی طرف رجوع کرتا ہے، یہ رجوع یا تو کلی طور پر ہوتا ہے یا جزوی طور پر جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۝۴۲ (الزمر)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے جانوں کو موت کے وقت اور جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا (ان کی روحیں) حالت نیند میں۔ پھر روک لیتا ہے ان روحوں کو جن کی موت کا فیصلہ کرتا ہے اور واپس بھیج دیتا ہے دوسری روحوں کو مقررہ میعاد تک۔ بے شک اس میں (اس کی قدرت کی) نشانیاں ہیں ان کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔

اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نَوْمُ الْعَالِمِ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ الْجَاهِلِ یعنی عالم کا سونا جاہل کے عبادت کرنے سے بہتر ہے۔ مگر عالم کو یہ شرف صرف اسی صورت میں حاصل ہوسکتا ہے کہ عالم کا دل نورِ توحید سے زندہ ہو چکا ہو اور اسمائے توحید باطن کی زبان پر بغیر حرف وصورت جاری ہو چکے ہوں جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے الانسان سرّی وانا سرہ یعنی انسان میرا راز اور میں اس کا راز ہوں۔

دوسری حدیث کے الفاظ یوں ہیں

اِنَّ عِلْمَ الْبَاطِنِ هُوَ سِرٌّ مِنْ سِرِّيْ اَجْعَلَهٗ فِيْ قَلْبِ عَبْدِيْ وَلَا يَقِفُ عَلَيْهِ اَحَدٌ غَيْرِيْ

ترجمہ: بے شک علم باطنی میرے رازوں میں سے ایک راز ہے، میں نے اس راز کو اپنے بندے کے دل میں رکھ چھوڑا ہے اس پر میرے سوا کوئی واقف نہیں ہوسکتا۔

انسان کے وجود کا اصل مقصد ہے ہی علم تفکر جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے

تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةً (تفسیر الرازی)

ترجمہ: ایک پل کا غور وفکر ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

تفکر علم الفرقان ہے جسے توحید کہتے ہیں۔ اسی کی بدولت عارف اپنے مقصود ومحبوب تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ عارف اسی علم کے نتیجے میں روحانیت کی پرواز کر کے عالم قربت تک پہنچتا ہے پس عارف قربت کی طرف محو پرواز ہے جبکہ عابد جنت کی طرف پا پیادہ گامزن ہے۔ عارفین کے متعلق کسی نے کیا سچ کہا ہے

قُلُوْبُ الْعَارِفِيْنَ لَهَا عُيُوْنٌ | تَرٰى مَالَا يَرَاهُ النَّاظِرُوْنَ
وَاَجْنِحَةٌ تَطِيْرُ بِغَيْرِ رِيْشٍ | اِلٰى مَلَكُوْتِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

یعنی عرفاء کے دلوں کی آنکھیں ہوتی ہیں، یہ آنکھیں وہ سب کچھ دیکھ لیتی ہیں جو ظاہری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ان (اہل اللہ) کے پر ہیں لیکن یہ پرندوں کے سے پر نہیں ہیں، وہ ان پروں کے ساتھ پروردگارِ عالم کی بادشاہی کی طرف محوِ پرواز رہتے ہیں۔

یہ پرواز عرفاء کے باطن میں جاری وساری ہے۔عارف انسانِ حقیقی ہے، وہ اللہ عزوجل کا محبوب محرمِ راز اور اس کی دلہن ہے جیسا کہ ابو یزید (بایزید) بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کی دلہنیں ہیں، دلہنوں کو محرموں کے سوا کوئی نہیں دیکھ سکتا، اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کے حضور حجاب انس میں مستور ہوتے ہیں، نہ انہیں کوئی دنیا میں دیکھ پاتا ہے نہ ہی آخرت میں۔ہاں صرف ایک آنکھ ان کے حق کا مشاہدہ کرتی ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی آنکھ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا اَوْلِيَائِيْ تَحْتَ قَبَائِيْ لَا يَعْرِفُهُمْ غَيْرِيْ یعنی میرے اولیاء میری قبا کے نیچے ہیں، انہیں میرے سوا کوئی نہیں پہچانتا۔

لوگ دلہن کی صرف ظاہری سج دھج کو دیکھ سکتے ہیں۔یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ولی اللہ زمین میں اللہ تعالیٰ کی خوشبو ہے جسے صرف صدیق سونگھ سکتے ہیں۔یہ خوشبو صدیقوں کے دلوں تک پہنچتی ہے۔اسی لیے وہ اپنے مولا کی طرف مشتاق رہتے ہیں، تفاوتِ اخلاق کے مطابق ان کی عبادت بڑھتی جارہی ہے اور جوں جوں لوگ عبادت میں بڑھتے ہیں اسی قدر فنا میں بڑھتے جاتے ہیں کیونکہ فانی جس قدر باقی کا قرب حاصل کرتا ہے اسی قدر فنا ہوتا جاتا ہے۔

ولی وہ ہے جو اپنے حال میں فنا ہو اور مشاہدہ حق میں باقی ہو۔اسے اپنی ذات پر کوئی اختیار نہ ہو اور نہ ہی اسے غیر خدا کے ساتھ سکون نصیب ہو۔ولی وہ ہے جس کی تائید کرامات سے ہو لیکن یہ مقام اس کی نگاہوں میں فروتر ہو۔وہ خود افشاء کا ارادہ نہ رکھتا ہو کیونکہ ربوبیت کے راز کو افشاء کرنا کفر ہے جیسا کہ صاحب المرصاد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اصحابِ کرامات تمام کے تمام پس پردہ ہیں۔کرامت مردان

خدا کے لیے بمنزلہ حیض کے ہے۔ ولی کے لیے ہزار مقامات ہیں، پہلا مقام کرامت ہے جو اس سے گزر گیا تمام مقامات کو پانے میں کامیاب ہو گیا۔

دوسری فصل

انسان کا پست ترین حالت کی طرف لوٹنا: جب اللہ تعالیٰ نے عالم لاہوت میں روحِ قدسی کو بہترین اعتدال پر پیدا فرمایا تو چاہا کہ اسے پست ترین حالت کی طرف لوٹائے تا کہ وہ انسیت اور قربت میں ترقی کرے، جیسا کہ ارشاد رب العالمین ہے فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾ **(القمر)** یعنی بڑی پسندیدہ جگہ میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے پاس (بیٹھے) ہوں گے۔

پہلے انسان عالم لاہوت سے عالم جبروت میں آیا۔ اس کے پاس توحید کا بیج تھا۔ اس نے یہاں اپنی نورانیت کا بیج بویا اور روحِ قدسی کو جبروتی لباس پہنایا گیا۔ اس کے بعد اسے یکے بعد دیگرے عالم ملکوت، عالم الملک کی طرف بھیجا گیا، اسے لباس عنصری دیا گیا تا کہ وہ اس عالم کو جلا نہ دے۔ لباس عنصری سے مراد جسد کثیف ہے۔ جبروتی لباس کی وجہ سے اسے روحِ سلطانی، ملکوتی لباس کی وجہ سے اسے روحِ سیرانی روانی اور ملکی لباس کی وجہ سے اسے روحِ جسمانی کہتے ہیں۔

الاسفل کی طرف روحِ قدسی کے رجوع سے مقصود جسم اور دل کے واسطہ سے زیادہ درجہ اور قربت کا حصول ہے۔ یہ روح ارضِ قلب میں توحید کا بیج بوتی ہے۔ اس سے توحید کا درخت اگتا ہے جس کا تنا باطن کی گہرائی میں پیوست ہوتا ہے۔ اس درخت پر رضائے خداوندی کے لیے ثمرہ توحید لگتا ہے۔ اسی طرح شریعت کا بیج جسم کی زمین بوتی ہے جس سے شریعت کا درخت اگتا ہے اور اس سے ثواب کا پھل حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح کو حکم دیا کہ ان اجساد میں داخل ہو جاؤ اور ہر ایک روح کے لیے جسم میں ایک خاص جگہ متعین فرمادی۔ روح جسمانی کا مقام خون اور گوشت کی درمیانی جگہ قرار پائی۔ روحِ روانی کو قلب میں رکھا گیا، روحِ سلطانی کو جان میں جبکہ روحِ قدسی کا مقام باطن ٹھہرایا گیا۔ ہر ایک روح

کی مملکت جسم کے اندر دکان ہے۔ ہر ایک سامان تجارت رکھے نفع کمار ہا ہے۔ یہ کاروبار ہر قسم کے نقصان کے خدشے سے پاک ہے۔

ہر انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے وجود کے اندر جاری معاملات کو سمجھے کیونکہ یہاں جو کچھ وہ حاصل کرے گا اس کی گردن کا نوشتہ ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

اَفَلَا یَعۡلَمُ اِذَا بُعۡثِرَ مَا فِی الۡقُبُوۡرِ ۙ﴿۹﴾ وَ حُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوۡرِ ۙ﴿۱۰﴾ (العادیات)

ترجمہ: کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا جب نکال لیا جائے گا جو کچھ قبروں میں ہے اور ظاہر کر دیا جائے گا جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے۔

اسی طرح ایک اور آیت میں فرمایا وَ کُلَّ اِنۡسَانٍ اَلۡزَمۡنٰہُ طٰٓئِرَہٗ فِیۡ عُنُقِہٖ ؕ﴿۱۳﴾ (الاسراء) یعنی ہر انسان کی (قسمت کا) نوشتہ اس کے گلے میں ہم نے لٹکا رکھا ہے۔

تیسری فصل

اجساد میں روحوں کی دکانیں: روحِ جسمانی کی دکان پورا جسم ظاہری جوارح کے ساتھ ہے۔ اس کا سامان تجارت شریعت ہے اور اس کا کاروبار شرک سے بچتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرائض کی ادائیگی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَّ لَا یُشۡرِکۡ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖۤ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ (الکہف) یعنی اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ لَا یَقۡبَلُ اِلَّا طَیِّبًا یعنی اللہ تعالیٰ پاک ہے اور صرف پاک ہی کو قبول فرماتا ہے۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اور ارشاد گرامی ہے اِنَّ اللّٰہُ وِتۡرٌ یُحِبُّ الۡوِتۡرَ یعنی اللہ تعالیٰ وتر ہے اور وتر کو پسند فرماتا ہے۔ لفظ وتر سے مراد نمود و نمائش سے بلند تر ہوتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ بناوٹ سے پاک ہے اور اعمال میں اخلاص کو پسند فرماتا ہے)

۱: روح جسمانی کا نفع ولایت، مکاشفہ اور تحت الثریٰ سے آسمان بالا تک پوری کائنات کا مشاہدہ

ہے۔اس کی مثال کراماتِ کونیہ ہیں جو مراتب رہبانیت سے ہے مثلاً پانی پر چلنا، ہوا میں اڑنا، طے مکانی، دور سے سننا اور باطن میں جھانکنا اور اس قسم کی دوسری کرامات۔آخرت میں اس کا نفع جنت، حور وقصور، غلمان، شرابِ طہور، تمام نعمتیں، جنت الاولیٰ میں گھر جو جنت الماویٰ ہے۔

۲: روحِ روانی کی دکان قلب ہے۔اس کی متاع علم طریقت اور اس کا کاروبار اللہ تعالیٰ کے بارہ اصولی اسماء میں سے پہلے چار اسماء میں مشغول ہونا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۝۱۸۰ (الاعراف) یعنی اور اللہ ہی کے لیے ہیں نام اچھے اچھے، سو پکارو اسے انہیں ناموں سے۔اور یہ آیت اشارہ کررہی ہے کہ اسماء مشغول ہونے کا محل ہیں اور یہی علم باطن ہے۔معرفت اسمائے توحید کا نتیجہ ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

إِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا مَنْ أَحْصَاهَا كُلَّهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کے ننانویں نام ہیں جس نے ان کا ورد کیا وہ جنت میں داخل ہوا۔

حدیث میں لفظ احصاء سے مراد ان اسماء سے متصف ہونا ہے اور ان اخلاقِ خداوندی کو اپنی ذات میں جاری کرنا ہے۔یہ بارہ اسماء اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء کی بنیاد اور اصول ہیں جن کے عدد کلمہ "لا الہ الا اللہ" کے حروف کے برابر ہیں۔پس اللہ تعالیٰ نے قلوب کی گہرائیوں میں ہر ایک حرف کے لیے ایک اسم کو ثبت فرمادیا۔ہر ایک عالم کے لیے تین اسماء ہیں۔اللہ تعالیٰ اسماء کے ذریعے محسنین کے دلوں کو اثبات بخشتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۝۲۷ (ابراهيم)

ترجمہ: ثابت قدم رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس پختہ قول (کی برکت سے) دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر اُنسیت کی خاص کیفیت نازل فرماتا ہے جسے سکینہ کہا جاتا ہے۔اس میں شجر توحید پروان چڑھتا ہے جس کی جڑ ساتویں زمین میں بلکہ تحت الثریٰ میں ہے اور ٹہنیاں ساتویں آسمان تک بلند ہیں بلکہ عرش کے اوپر تک پہنچی ہوئی ہیں جیسا کہ ارشاد ہے

كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ﴿۲۴﴾ (ابراھیم)

ترجمہ: اس پاکیزہ درخت کی مانند ہے جس کی جڑی بڑی مضبوط ہیں اور شاخی آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں۔

روحِ روانی کو اس کاروبار سے جو نفع ہوتا ہے وہ دل کی زندگی ہے۔ عالم ملکوت کو وہ اپنی دل کی آنکھ سے عیاں دیکھتا ہے، جنت کے باغ اسے دکھائی دینے لگتے ہیں۔ اہل جنت، جنت کے انوار اور فرشتے اس کے روبرو ہوتے ہیں اور وہ اسمائے باطن کا مشاہدہ کرتا ہے تو اپنی زبان سے باطنی گفتگو کرتا ہے جو بلا حرف وصوت ہوتی ہے۔ اس کاروبار کی وجہ سے اس کا ٹھکانا دوسری جنت یعنی جنت النعیم قرار پاتا ہے۔

۳: روحِ سلطانی کی دکان جان ہے۔ اس کا سامانِ تجارت معرفت اور کاروبار بارہ اسماء میں سے درمیان چار اسماء کا دل کی زبان سے ورد ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ عِلْمٌ بِاللِّسَانِ وَذَالِكَ حُجَّةُ اللهِ
تَعَالٰى عَلٰى ابنِ آدَمَ وَعِلْمٌ بِالْجَنَانِ فَذَالِكَ الْعِلْمُ النَّافِعُ

ترجمہ: علم کی دو قسمتیں ہیں: علم لسانی اور علم جنانی۔ علم لسانی اللہ تعالیٰ کی ابن آدم پر حجت ہے اور علم جنانی ہی علم نافع ہے۔

کیونکہ علم کے تمام فائدے اسی دائرہ میں ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے

اِنَّ لِلْقُرْاٰنِ ظَهْرًا وَّبَطْنًا وَلِبَطْنِهٖ بَطْنًا اِلٰى سَبْعَةِ اَبْطُنٍ

ترجمہ: قرآن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے اور ہر باطن کا پھر ایک باطن (یہ سلسلہ) سات باطنوں تک (دراز) ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللهَ اَنْزَلَ الْقُرْاٰنَ عَلٰى عَشَرَةِ اَبْطُنٍ فكُلُّ مَا هُوَ اَبْطَنُ فَهُوَ اَنْفَعُ وَاَرْبَعُ لِاَنَّهٗ مِفَنٌّ

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے قرآن کو دس بطنوں پر نازل فرمایا۔ پس ہر باطن پہلے باطن سے زیادہ نفع بخش اور مفید ہے کیونکہ اس میں پہلے کی نسبت زیادہ عجائب ہیں۔

یہ اسماء ان بارہ چشموں کی مانند ہیں جو عصائے موسیٰ کی ضرب سے پھوٹے تھے جیسا کہ قرآن مجید

میں ارشادِ الٰہی ہے

وَاِذِ اسۡتَسۡقٰى مُوۡسٰى لِقَوۡمِهٖ فَقُلۡنَا اضۡرِبْ بِّعَصَاكَ الۡحَجَرَ ؕ فَانۡفَجَرَتۡ مِنۡهُ اثۡنَتَا عَشۡرَةَ عَيۡنًا ؕ قَدۡ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشۡرَبَهُمۡ ۞ (البقرہ)

ترجمہ: اور یاد کرو جب پانی کی دعا مانگی موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے تو ہم نے فرمایا مارو اپنا عصا فلاں چٹان پر تو فوراً بہہ نکلے اس چٹان سے بارہ چشمے۔ پہچان لیا ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ۔

علم ظاہری اس پاک پانی کی مانند ہے جو عارضی ہو جبکہ علم باطن چشمے کے اصلی پانی جیسا ہے۔ علم باطنی علم ظاہری کی نسبت زیادہ نفع بخش ہے اور علم کا یہ چشمہ ابدی ہے کبھی خشک نہیں ہوتا۔ ارشاد ربانی ہے

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الۡاَرۡضُ الۡمَيۡتَةُ ۖۚ اَحۡيَيۡنٰهَا وَاَخۡرَجۡنَا مِنۡهَا حَبًّا فَمِنۡهُ يَاۡكُلُوۡنَ ۞ (یس)

ترجمہ: اور ایک نشانی ان کے لیے یہ مردہ زمین ہے ہم نے اسے زندہ کر دیا اور ہم نے نکالا اس سے غلہ پس وہ اس سے کھاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے روئے زمین سے ایک دانا نکالا جو حیواناتِ نفسانیہ کی خوراک ہے۔ زمین انفس سے ایک دانا پیدا کیا جو ارواحِ روحانیہ کی خوراک ٹھہرا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے

مَنۡ أَخۡلَصَ لِلّٰهِ أَرۡبَعِينَ صَبَاحًا، ظَهَرَتۡ يَنَابِيعُ الۡحِكۡمَةِ مِنۡ قَلۡبِهِ عَلَى لِسَانِهِ

ترجمہ: جس نے چالیس صبحیں اللہ کے خلوص میں کیں تو اللہ نے اس کے دل سے حکمت کے چشمے اس کی زبان پر جاری کر دیے۔

رہا روحِ سلطانی کا نفع تو انسان اس سے جمالِ خداوندی کا عکس دیکھتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مَا كَذَبَ الۡفُؤَادُ مَا رَاٰى ۞ (النجم) یعنی نہ جھٹلایا دل نے جو دیکھا (چشم مصطفیٰ) نے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے اَلۡمُؤۡمِنُ مِرۡآةُ الۡمُؤۡمِنِ یعنی ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے۔ پہلے مومن سے مراد بندہ کا دل ہے اور دوسرے سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی صفاتی نام مومن آیا ہے۔

الۡمُؤۡمِنُ الۡمُهَيۡمِنُ الۡعَزِيۡزُ الۡجَبَّارُ الۡمُتَكَبِّرُ (الحشر)

ترجمہ: امان بخشنے والا، نگہبان، عزت والا، ٹوٹے دلوں کو جوڑنے والا، متکبر۔

صاحب المرصاد فرماتے ہیں کہ اس طائفہ کا مسکن تیسری جنت یعنی جنت الفردوس ہے۔

۴: روحِ قدسی کی دکان باطن ہے جیسا کہ حدیث قدسی ہے اَلْاِنْسَانُ سِرِّیْ وَاَنَا سِرُّہٗ یعنی انسان میرا راز اور میں اس کا راز ہوں۔

روحِ قدسی کی متاع علم الحقیقت ہے جسے علم التوحید کہتے ہیں اور اس کا معاملہ (کاروبار) اسمائے توحید کا ورد ہے یعنی آخر چار اسماء کا ورد مگر یہ وظیفہ ظاہری زبان سے نہیں باطن کی زبان سے بغیر نطق کے کرنا ہوتا ہے اور اس کے لیے وقت مقرر نہیں، دائمی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ۞ (طه) "اور اگر تو بلند آواز سے بات کرے (تو تیری مرضی) وہ تو بلاشبہ جانتا ہے رازوں کو بھی اور دل کے بھیدوں کو بھی۔

اس کاروبار کا فائدہ یہ ہے کہ طفل معانی کا ظہور ہو جاتا ہے اور وہ باطن کی آنکھ سے جلال و جمالِ خداوندی کو روبرو بغیر کسی پردہ کے دیکھتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۞ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۞ (القیامۃ)

ترجمہ: کئی چہرے اس روز تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب کے (انوارِ جمال) کی طرف دیکھ رہے ہونگے

یہ دیدار بلا کیف و کیفیت اور بلا تشبیہ ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۞ (الشوریٰ) یعنی نہیں ہے اس کی مانند کوئی چیز اور وہی سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ جب انسان اپنے مقصود کو پا لیتا ہے تو عقلیں سوچنے سے قاصر، دل عالم تحیر میں سرگرداں اور زبانیں گنگ ہوتی ہیں حتیٰ کہ صاحب مقام خود بھی کوئی خبر نہیں دے سکتا، وہ کہے بھی تو کیا کہے۔ اللہ تعالیٰ مثال سے پاک ہے۔ اگر علماء تک ایسی چیزیں پہنچیں تو انہیں چاہیے کہ وہ ان مقاماتِ قلوب کو خوب سمجھیں، ان کے حقائق کو جاننے کی کوشش کریں اور کسی اعتراض کے بغیر اعلیٰ علین کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ اس طرح انہیں بارگاہِ خداوندی سے علم لدنی حاصل ہوگا اور ذاتِ احدیت کی معرفت تک رسائی ہوگی۔ وہ ہرگز ہرگز اس مقام کا انکار نہ کریں اور تعرض کی روش سے بچیں۔

عصرِ حاضر اور افکارِ غوث اعظم رضی اللہ عنہ

خدیجہ طاہر

جب بھی امت مسلمہ علمی، عملی، روحانی اور سیاسی زوال کا شکار ہوئی، اللہ تعالیٰ نے مسلم امہ کو کسی ایسے فرد سے نوازا جس کے وجود نے صحراؤں کو گلشن بنا دیا اور مسلمانوں کو سر اٹھا کر جینے کا ڈھنگ سکھا دیا۔ اس سلسلے میں محبوب کریم علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ''اللہ تعالیٰ اس امت کی (سربلندی کے لیے) ہر صدی کے آغاز میں ایسی شخصیت کو پیدا فرماتا ہے جس کے ذریعے تجدید و احیائے دین کا فریضہ سرانجام پاتا ہے۔''

قطب ربانی سیدنا الشیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ بھی ایسی ہی حیات آفرین شخصیتوں میں سے ایک ہیں جن کی کتابِ زیست کا ایک ایک ورق خزاں رسیدہ چمن کے لیے بادِ بہاری کا ایک خوشگوار جھونکا ہے۔ آپ کی تعلیمات نے عالم اسلام کے مرکز بغداد میں ٹوٹ پھوٹ کے شکار معاشرے کو حیاتِ نو کا مژدہ سنا کر مسلم امہ کے نحیف و ناتواں بدن میں نئی روح پھونک دی۔ تب سے اب تک آپ کی تعلیمات امت مسلمہ کو روح کی غذا فراہم کر رہی ہیں۔

عصر حاضر میں آپ کی نورانی تعلیمات ماضی کی نسبت زیادہ اہم ہوگئی ہیں کیوں کہ مادیت بھی ماضی کی نسبت کہیں زیادہ قوت کے ساتھ انسانیت اور اخلاقی اقدار کے ساتھ نبرد آزما ہے۔ ایسے حالات میں سکون نا آشنا دلوں سے خود غرضی، لالچ اور مال کی محبت کو نکال کر محبت، ایثار اور سکون سے ہم کنار وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے دل و دماغ قرآن و حدیث کی روح سے آشنا ہوں۔ آج بھی اگر مسلم امہ حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی تعلیمات کو اپنا لے جو قرآن و حدیث کے صحیح فہم پر مبنی ہیں تو عالم اسلام اپنی تمام تر محرومیوں سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ ملک شام کے ایک سکالر ڈاکٹر عبدالرزاق الگیلانی اپنی کتاب ''الشیخ عبدالقادر الجیلانی، الامام الزاہد القدوۃ'' میں لکھتے ہیں کہ

''ہم بغداد میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ پہلا حصہ آپ کی بغداد آمد سے مسند تدریس پر فائز ہونے تک ہے۔

دوسرا حصہ آپ کے وصال تک ہے۔ اور یہ علم کے چراغ جلانے، تعلیم دینے اور وعظ وارشاد کا مرحلہ ہے۔''

سید العارفین، حجۃ الواصلین، نائب رحمۃ للعالمین، قطب ربانی، محبوبِ سبحانی، شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ النورانی کی سوانحِ حیات کا مطالعہ کرنے سے یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہوتا ہے کہ آپ بہت بڑے صاحبِ کرامت بزرگ ہیں یا بہت بڑے عالم جلیل۔ مگر سچ یہ ہی ہے کہ آپ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم، صاحب کشف وکرامت بزرگ اور باعمل داعی ومبلغ ہیں۔ آپ کا مرتبہ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں بہت اونچا ہے اور بلاشبہ آپ روئے زمین کے تمام اولیاء اللہ کے سردار ہیں۔

سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ خطبات میں عموماً سادہ اور عام فہم باتیں ارشاد فرماتے لیکن کبھی کبھی آپ کا دریائے علم موجزن ہوتا تو عالمانہ ومحققانہ نکات بیان فرماتے اور آیتوں کی ایسی تفسیر سناتے کہ بڑے بڑے علماء بھی انگشت بدنداں ہوجاتے۔ آپ دین متین کی تعلیمات کو بہت پرکشش اور مؤثر انداز میں بیان فرماتے۔ بعض اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیائے عظام کے ارشادات بھی زیبِ سخن بنتے۔

آپ پر بغداد کی معاشرتی، سماجی اور دینی زندگی کی بگڑتی ہوئی حالت پوشیدہ نہیں تھی۔ ظلم وستم، جبر واستبداد، تن آسانی اور عیش وطرب میں ڈوبی زندگی کو ہلاکت کے بھنور سے نکال لانا ہی آپ کا مقصد اصلی تھا اور اسی لیے آپ نے بغداد کو اپنی دعوت وتبلیغ کا مرکز بنایا۔ بڑے بڑے لوگوں کو ان کی برائیوں پر بے دھڑک ٹوکتے اور ان کی اصلاح کی طرف توجہ فرماتے تھے اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ آپ منجانب اللہ ایک داعی ومبلغ کی حیثیت سے دنیا میں منتخب فرمائے گئے تھے۔

آپ نے اس وقت کے حکمرانوں، علماء، صوفیاء، فقہاء سب ہی سے خطاب فرمایا۔ آپ کے مواعظ سے چند اقتباسات احاطہ تحریر کئے دیتی ہوں جو کہ آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں

''اے لوگو! تم رمضان میں اپنے نفسوں کو پانی پینے سے روکتے ہو اور جب افطار کا وقت آتا ہے تو لوگوں کے خوف سے افطار کرتے ہو اور ان پر ظلم کرکے جو مال حاصل کیا ہے اسے نگلتے ہو۔ اے لوگو! افسوس کہ تم سیر ہوکر کھاتے ہو اور تمہارے

پڑوسی بھوکے رہتے ہیں اور پھر دعویٰ یہ کرتے ہو کہ مومن ہو۔ تمہارا ایمان صحیح نہیں، دیکھو ہمارے نبی ﷺ اپنے ہاتھ سے سائل کو دیا کرتے تھے، اپنی اونٹنی کو چارہ ڈالتے، اس کا دودھ دوہتے اور اپنی قمیص سِیا کرتے۔ تم ان کی متابعت کا دعویٰ کیسے کرتے ہو جب کہ اقوال وافعال میں ان کی مخالفت کر رہے ہو"۔ (الفتح الربانی)

آپ نے اس وقت کے مولویوں، فقہاء اور زاہدوں کو مخاطب کر کے فرمایا

"اے مولویو اور فقیہو، زاہدو، عابدو، اے صوفیو! تم میں کوئی ایسا نہیں جو توبہ کا حاجت مند نہ ہو۔ ہمارے پاس تمہاری موت اور حیات کی ساری خبریں ہیں۔ سچی محبت جس میں تغیر نہیں آ سکتا وہ محبت الٰہی ہے جس کو تم اپنے دل کی آنکھوں سے دیکھتے ہو اور وہی محبت روحانی صدیقوں کی محبت ہے۔ یا الٰہی تو منافقوں کی شوکت کو توڑ دے اور ان کو ذلیل فرما۔ ان کو توبہ کی توفیق عطا فرما اور ظالموں کا قلع قمع فرما دے، زمین کو ان سے پاک فرما دے یا ان کی اصلاح فرما۔" (الفتح الربانی)

آج جس قدر حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی کرامت کو بیان کیا جاتا ہے اور ہمارے مبلغین وخطباء حضرات اپنے خطبوں میں زورِ بیانی کے ساتھ پیش کرتے ہیں اس سے وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا جو ہونا چاہیے۔ اگر عوام کے سامنے آپ کے ان اقدامات ومساعیٔ مشکورہ کو جو احیائے دین کے لیے آپ نے کی ہیں، پیش کیا جائے تو اس سے دو فائدے ہوں گے۔ اوّل تو وہ حضرات جو صرف اور صرف آپ کو کرامت تک ہی محدود جانتے ہیں ان کی معلومات میں اضافہ ہوگا۔ دوم ہماری عوام اور خواص کے اندر جذبۂ تبلیغ بھی پیدا ہوگا جس سے آج بھی گم راہ انسانوں کو راہِ ہدایت نصیب ہو سکتی ہے بہ شرط یہ کہ آج کے مبلغین اور داعیانِ اسلام کی تبلیغ کا طرز وانداز سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی تبلیغ کی طرح ہو۔

حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے شریعت کے تن بے جان میں دوبارہ جان ڈال دی اور آپ کی دعوت وتبلیغ نے ہزاروں بھٹکے ہوئے انسانوں کو منزلِ مقصود سے ہم کنار کر دیا جس کی وجہ سے آپ کا لقب "محی الدین" (دین کو جِلا بخشنے والا) مشہور ومعروف ہو گیا۔

’’غنیۃ الطالبین‘‘ کی حقیقت

ڈاکٹر علامہ زید گل خٹک

افتریٰ، تنسیب اور تدلیس سلطنت علم میں دراندازی کرنے والے سارق ہیں۔ یہود و نصاریٰ اور مشرکین اللہ وحدہٗ سبحان تعالیٰ کی طرف افتراء کرتے آرہے ہیں۔ ابنیاء کرام ورسل عظام علیہم السلام کی طرف لوگوں نے جھوٹ منسوب کیا۔ احادیث وآثار کی کتب اور جامع میں متعدد ایسی روایات ہیں جو فرمودہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہیں ہیں کذباً منسوب ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیاءِ کرام رحمہم اللہ کی طرف جھوٹ منسوب کیا گیا۔ بسا اوقات اصل متن میں تدلیس کی گئی اس حد تک کہ اصل عبارت سے اُس مدلس عبارت کو الگ کرنا بہت زیادہ تحقیق وتدقیق طلب کام ہے۔

آمدن برسرِ مطلب کہ سیدنا شیخ المشائخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز نسبی، نسبتی، علمی اور روحانی لحاظ سے نہایت وقیع اور مقتدر ہستی ہیں۔ اس لیے آپ کی طرف بھی ایسی چیزوں کا انتساب کیا گیا جو شرک، ناصبیت، تفرقہ اور شخصی گستاخی کا احتمال لیے ہوئے ہیں تاکہ ان عبارات مدلسہ کو قبولِ عام حاصل ہو جائے حالانکہ وہ نگارشات ومرقومات اور منقولات آپ کی نہیں ہیں، ہرگز نہیں ہیں۔

آپ چونکہ الحسنی والحسینی سید ہیں، اس لیے آپ کے حوالے سے امامیہ اثنا عشریہ کے خلاف محاذ کھولا گیا۔ آپ متکلم بھی ہیں اس لیے آپ سے نسبت دے کر اشاعرہ کے خلاف ہرزہ سرائی کی گئی۔ آپ عظیم الشان فقیہ ہیں چنانچہ آپ کی طرف افتراء کر کے احناف پر قدغن روا رکھی گئی۔ آپ صاحبِ حال ومقام وتمکین صوفی ہیں سو آپ کی طرف جھوٹ منسوب کر کے اہلِ خرقہ کو بدنام کرنے کی مذموم جسارت برتی گئی۔

’’الغنیۃ‘‘ جسے ’’غنیۃ الطالبین‘‘ بھی کہا جاتا ہے کے بارے میں عام طور پر تین محققانہ آراء ہیں۔

o یہ حضرت کی تالیف ہے۔

- یہ حضرت کی تالیف نہیں ہے۔
- اس میں بہت زیادہ تدلیس ہوئی ہے۔

راقم الحروف کی نظر میں آخری رائے زیادہ معتبر ہے۔

شیخ احمد سرہندی، حاجی خلیفہ، ابن تیمیہ، ابن کثیر، علامہ تازفی، عمر رضا، اسماعیل پاشا اور شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہم اللہ (صرف لمعات میں) ''الغنیۃ'' کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی تصنیف قرار دیتے ہیں۔ اللہ علیم وعلام بہتر جانتا ہے لیکن اس طرح اِن میں بعض کو اہل تشیع کے خلاف مضبوط محاذ ہاتھ آجاتا ہے اور بعض کے پاس مشربِ تصوف میں تجدد اختیار کرنے کی دلیل میسر آجاتی ہے۔

دوسرا موقف یہ ہے کہ سرے سے یہ کتاب آپ رضی اللہ عنہ کی ہے ہی نہیں۔ یہ عبدالقادر نامی کسی شخص کی کتاب ہے جو تسنن، کلام اور تصوف وفقہ کے حوالے سے انتہا پسند اور متعصب تھا۔ اسلوبِ نگارش بھی حضرت کی تصانیف لطیف سے بالکل جدا اور متغیر ہے۔

ان محققینِ عظام میں شاہ عبدالحق محدثِ دہلوی، علامہ عبدالعزیز، حضرت نظام الدین، علامہ احمد رضا خان فاضل بریلوی، ابن حجر مکی، عبدالحئ لکھنوی، علامہ نذیری، علامہ مبشر حسین رحمہم اللہ وغیرھم نے اس کو شیخ المشائخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی تصنیف یا تو تسلیم نہیں کیا یا پھر مدلس قرار دیا ہے۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت قابلِ توجہ ہے جو تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت، تصوف، کلام اور ادب تمام علمی وتحقیقی میدانوں کے شہسوار ہیں۔

''ہرگز نہ ثابت شدہ کہ ایں تصنیفِ آنجناب است اگرچہ انتساب با آنحضرت دارد''

(حاشیہ علی النبر اس صفحہ ۴۷۵)

حاصلِ کلام یہ کہ ''الغنیۃ'' کو اگر سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی تصنیف تسلیم کر بھی لیا جائے تو بھی ماننا پڑے گا کہ اس کتاب میں بہت زیادہ تدلیس ہوئی اور الحاقی عبارات بہت زیادہ ہیں لہٰذا علمی ومشربی میدان میں یہ تصنیف حجت نہیں ہوسکتی۔

واللہ اعلم بالصواب

منقبت بحضور مولوی جی

سید کامران علی شاہ بخاری قادری

میرا رستہ میری منزل خدا جانے کہاں گم ہے
میرے ایمان کا حاصل خدا جانے کہاں گم ہے

تمہارے پاس ہی ہو گا، ٹٹولو تو ذرا خود کو
میرے سینے سے میرا دل خدا جانے کہاں گم ہے

تمہارے چہرہ انور پہ اٹھتیں اور جھک جاتیں
میری آنکھوں کی وہ جھلمل خدا جانے کہاں گم ہے

میرے مرشد تو زندہ ہے یقیں تو ہے مجھے لیکن
تیری خوشبو تیری محفل خدا جانے کہاں گم ہے

بہت مشکل میں ہوں میں مولوی جی ''شَیْئاً لِلّٰہ''
سکونِ روح قرارِ دل خدا جانے کہاں گم ہے

تیرا لاچار و بے بس، بے نوا، اُجڑا ہوا کامی
سفر میں ہے مگر منزل خدا جانے کہاں گم ہے

سیدنا مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ

اپنے استادزادہ کی نظر میں ۱

جہاں تک میری یادداشت کا تعلق ہے میرے والد حضرت علامہ مولانا گل فقیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ قدیم عرصہ سے یہاں (جامع مسجد گل فقیر احمد صاحب، قصہ خوانی پشاور) درس دیتے تھے۔ میں اور میرا دوسرا بھائی ڈپٹی غلام احمد صاحب ہم چھوٹے چھوٹے تھے۔ سردیوں میں اندر دالان میں اور گرمیوں میں باہر صحن میں درس ہوتا تھا۔

والد صاحب نے صحاحِ ستہ کا درس دیا۔ موطاء امام مالک اور موطاء امام حنبل وحدیث کی کتابیں بھی یہاں درس میں پڑھائیں۔ دومرتبہ قرآن پاک کا ترجمہ وتشریح کے ساتھ چار چار برسوں میں پڑھایا۔ جب میں نے ہوش سنبھالا مجھے یاد ہے کہ جناب آغہ سید محمد امیر شاہ صاحب مدظلہ العالی تشریف لاتے تھے۔ ان کے ساتھ صوفی مشتاق احمد صاحب (ریٹائرڈ پرنسپل گورنمنٹ ہائی سکول نمبر ۴ پشاور جو کہ مجلہ ''الحسن'' کے مستقل قلمکار بھی ہیں) بھی ہوتے تھے۔

حافظ علی احمد جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ (خطیب جامع مسجد بڑ آسیا، پشاور) کا درس چونکہ صوفی مشتاق صاحب کے گھر کے قریب ہوتا تھا اس طرح وہ مولوی جی صاحب کے دوست بنے اور قرآن کریم کے درس میں بھی شامل ہوتے تھے۔ وہاں بھی کافی عرصہ انہوں نے حاضری دی۔ اسی طرح مولوی عبدالرحیم پوپلزئی کے پاس بھی جاکر پڑھتے تھے لیکن میرے خیال میں سند ہمارے والد صاحب ہی نے ان کو دی تھی جس کا نام ''ثبت امیری'' ہے۔

۱: یہ مضمون سیدنا مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذِ گرامی حضرت علامہ مولانا گل فقیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فرزید ارجمند جناب حضرت علامہ مولانا بشیر احمد چشتی گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ، (خطیب جامع مسجد مولانا گل فقیر احمد صاحب قصہ خوانی پشاور) کے ایک انٹرویو پر مبنی ہے جو ۱۹۹۸ء میں کیا گیا تھا۔ (ادارہ)

پشاور کے محلہ جٹاں میں ایک مدرسہ (موجودہ دارالمساکین اندرون یکہ توت شریف پشاور) میں محدث مولانا محمد ایوب صاحب صدرِ مدرس تھے جو موضع زَخی (نزد اکبر پورہ ضلع نوشہرہ) کے رہنے والے تھے۔ والد صاحب بیان کرتے ہیں کہ وہ حج پر گئے اور وہاں کچھ عرصہ قیام کیا پھر وہ وہاں سے مصر تشریف لے گئے۔

مصر میں ایک بہت بڑے عالم تھے جو غالباً صاحب طریقت بھی تھے۔ انہوں نے یہ ''ثبت امیری'' مرتب کی تھی جس کے نصاب میں قرآن کریم کی متعدد تفاسیر اور حدیث شریف کی مشہور کتابیں شامل ہیں۔ جبکہ تصوف کی کچھ کتابیں مثلاً قصیدہ بردہ شریف، قصیدہ غوثیہ شریف اور اسی طرح صوفیاء کرام کے دیگر اوراد و اشغال کی اجازت بھی اس میں شامل ہے۔ والد صاحب نے مجھے اور سید محمد امیر شاہ صاحب کو یہ سند عطا کی تھی۔ مجھے یاد ہے انہوں نے کسی کاتب سے یہ دو سندیں لکھوائی تھیں اور پھر ہم دونوں کے نام اپنے دست مبارک سے اس پر تحریر کیے تھے۔

آپ نے جو مجھ سے سوال کیا ہے کہ یہ سند کسی اور کو بھی ملی ہے؟ تو ایک مولوی متولی صاحب تھے ہزارہ کے، ریتی بازار میں کریانہ کی دکان کرتے تھے، والد صاحب سے درس حدیث پڑھا کرتے تھے۔ وہ ہزارہ کے علاقہ ٹھنڈیانی سے آگے کسی علاقہ کے رہنے والے تھے۔ وہ مجھے بھی وہاں لے گئے تھے جہاں میں ایک ماہ تک قیام کیا۔ ان کو بھی یہ سند دی گئی تھی۔

مولوی گل محمد روہیلہ جو ریتی میں درس دیتے تھے، والد صاحب کے شاگرد تھے ان کو بھی یہ سند عنایت کی گئی۔ اس کے علاوہ حافظ عبدالحمید صاحب جو غالباً مولوی جی صاحب کے پاس بھی آتے تھے، بلا کے ذہین آدمی تھے جنہوں نے سند حدیث کا ترجمہ کیا اور مولوی جی صاحب نے شائع کیا، والد صاحب نے ان کو بھی یہ سند دی تھی۔ ایک صریخ ملا صاحب تھے یہ محلہ مروی ہا میں بہاؤالدین مسجد کے امام تھے وہ بھی والد صاحب سے حدیث اور مشکوٰۃ پڑھتے تھے، ان کو بھی یہ سند دی تھی۔

سید محمد امیر شاہ صاحب خاندانی اور ذاتی تقریبات میں نیز ہر تقریر اور درس میں حضرت قبلہ والد صاحب کا ذکر خیر کرتے ہیں اور نہایت ادب و احترام سے کرتے ہیں۔ یہ بھی ان خاندانی اور ذاتی

شرافت کا اثر اور نتیجہ ہے۔ یہاں اور کئی ملاں صاحبان تشریف لاتے تھے، کتابیں پڑھتے تھے، درس حاصل کرتے تھے لیکن انہوں کبھی ظاہر نہیں کیا کہ وہ لوگ قبلہ والد صاحب کے شاگرد تھے اور ان سے پڑھے ہوئے ہیں۔

گیلانی سادات کا خاندان ہے اور یہ حضور غوث پاکؒ سے جو گیلانی سادات کا سلسلہ چلا ہے اور پشاور میں حضرت سید حسن بادشاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو میراں بادشاہ کے نام نامی سے مشہور ہیں (اندرون) پشاور کے باہر ان کی زیارت ہے ان کے بیٹے ہیں۔

سید شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ لاہور میں ہیں۔ پشاور کے گیلانی سادات میں یہ سلسلہ نسب بہت قدیم ہے۔ میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ حضرت میراں بادشاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی تربیت حضور غوث پاکؒ نے خود فرمائی، یہ اولیاء کا تصرف ہے وہ ظاہر ہو یا مثالی اشکال میں ارشاد فرماتے ہیں۔

سید امیر شاہ صاحب کے خاندان کے بزرگوں نے دین اسلام کی جو خدمت کی ہے وہ اظہر من الشّمس ہے۔ خاص کر حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کی بخاری شریف کی فارسی شرح اور ان کا رسالہ ''اصول حدیث'' قابل ذکر ہیں۔ مولوی جی صاحب نے شمائل ترمذی کا اردو ترجمہ اور اپنے خاندان کے بزرگوں کے حالات، تذکرۂ علماء و مشائخ سرحد اور تذکرہ حفاظِ پشاور بھی بڑے احسن طریقے سے چھپوائے ہیں۔ انہوں نے شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر جس اکیڈیمی کی بنیاد رکھی ہے یہ بڑی اہم دینی اور روحانی خدمت ہے۔ اس طرح پندرہ ''الحسن'' بھی تصوف، علمی اور دینی اعتبار سے بڑا جامع مجلہ ہے۔ اس کے ذریعہ انہوں نے (دین کی) کافی خدمت کی ہے بلکہ اسے حد سے زیادہ خدمت کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

ان کی ذات اہل پشاور کے لیے غنیمت ہے۔ انہوں نے طریقت اور شریعت دونوں کو قائم کیا۔ یہ انہی کا خاصہ ہے۔ خاندانی بزرگوں کے بعد جو بیڑا اٹھایا ہے بڑی اہم خدمات انجام دیں جو لائق صد تحسین ہیں۔ ان کی (علمی و روحانی خدمات سے) بہت سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا اور اٹھا رہے ہیں اور

میرے خیال میں مولوی جی صاحب کے والد بزرگوار حافظ سید محمد زمان شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دینی علوم کے حصول کے لیے آپ کے شوق اور جذبہ کو دیکھتے ہوئے بچپن میں ہی آپ کو ''مولوی جی'' کہنا شروع کر دیا۔

یہ نام اتنا مشہور ہوا کہ اہلیان پشاور آپ کو بڑی عزت اور احترام سے اسی نام سے یاد کرتے ہیں۔ان کے بزرگوں نے قیام پاکستان کے لیے بھی بہت کام کیا۔ مجھے یاد ہے کہ قیام پاکستان سے قبل آغا سید زمان شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سٹی مسلم لیگ کے صدر تھے۔ وہ مسلم لیگ کے جلسوں کی صدارت فرماتے تھے۔آپ کے فرزند سید قمر الزمان صاحب بھی تحریک پاکستان میں پیش پیش تھے۔ وہ شاعرانہ مزاج رکھتے تھے بڑی اچھی نظمیں لکھتے تھے۔

بقیہ: حیاتِ محبوبِ سبحانی رضی اللہ عنہ

آنجناب کی نویں پشت جبکہ اور حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی تئیسویں پشت میں عالم علوم ربانی مظہر انوارِ جیلانی ، بقیۃ السلف ، حجۃ الخلف ، جامع شریعت وطریقت ، استاذ کامل ، مرشد اکمل ، قطب عالم حضرت سید محمد امیر شاہ صاحب قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ جناب حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کی صورت ، سیرت اور اخلاقِ عالیہ کے مظہر اتم بن کر سلسلہ عالیہ قادریہ کی ترویج واشاعت میں مصروف رہے۔آپ کا وجود باجود اس مادی دور میں اہلیان پاکستان خصوصاً اہل پشاور کے لیے بہت بڑی نعمت تھا۔رشد وہدایت کا یہ آفتاب ۱۳رمضان ۱۴۲۵ھ/ ۱۲۷اکتوبر ۲۰۰۴ء کو غروب ہو گیا۔

اِس وقت آپ کے صاحبزادے سید محمد نور الحسنین قادری گیلانی اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سلسلہ عالیہ قادریہ کے فروغ میں کوشاں ہیں۔اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے اور ہمیں آپ کے فیوض وبرکات سے مستفیض توفیق عطا فرمائے۔

بزم مولوی جی

بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے خطاب ''بیٹا امیر شاہ''

سید محمد انور شاہ قادری بخاری
(ریٹائرڈ) لائبریرین گورنمنٹ ہائیر سیکنڈری سکول نمبر ۳ پشاور شہر

قبلہ مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پشاور کے جید ترین علمائے اہل سنت کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے ہوئے علوم اسلامیہ کی تحصیل فرمائی۔ آنجناب کے اساتذہ کرام میں ایک نمایاں نام حضرت علامہ حافظ علی احمد جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔ حافظ صاحب سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ (سیالکوٹ) کے خلیفہ مجاز تھے اور محلہ بڑآسیا میں رہائش پذیر تھے۔ یہاں پر ہی ان کی مسجد تھی۔ مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے سات سال تک اسی مسجد میں قرآن مجید اور حدیث شریف کا درس لیا۔

آپ حافظ صاحب کے معید [۱] بھی تھے اور استاد محترم کی عدم موجودگی میں درس قرآن وحدیث کے فرائض بھی انجام دیا کرتے تھے۔ اس زمانہ طالب علمی کا ایک ایمان افروز واقعہ نذر قارئین کیا جارہا ہے جو حافظ علی احمد جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے محترم المقام جناب صاحبزادہ امتیاز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آستانہ قادریہ پیر جان صاحب پشاور میں بیان فرمایا تھا۔

آپ فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد حضرت علامہ حافظ علی احمد جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سینکڑوں شاگرد تھے لیکن آپ مولوی صاحب کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ اس کی وجہ ایک تو مولوی

۱: ''معید'' عربی زبان کی اصطلاح ہے۔ اس سے مراد وہ قابل اور ہونہار شاگرد ہوتا ہے جو استاذ اور اپنے ہم درس طلباء دونوں کی معاونت کرتا ہے۔ استاد جو سبق پڑھا دے یہ اسے طلباء کے سامنے دہراتا ہے اور ان کی مشکلات دور کرتا ہے۔ موجودہ دور کے تعلیمی اداروں میں ''مانیٹر'' یا ''کلاس ہیڈ'' کو کسی حد تک معید سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔

صاحب کی خاندانی نسبت تھی اور دوسرا مولوی جی کے اخلاقِ کریمہ اور علم سے والہانہ لگن بھی تھی۔ باقی طلباء کے برعکس مولوی جی صاحب دن میں دو بار پڑھنے کے لیے تشریف لاتے۔

استاد وشاگرد دونوں تہجد اکٹھی مسجد محلہ بڑ آسیا میں پڑھ کر ڈھیری باغبان تشریف لے جاتے۔ راستے میں درسِ قرآن کا سلسلہ جاری رہتا اور وہاں فجر کی نماز حافظ صاحب پڑھاتے اور واپسی پر یہ درس وتدریس جاری رہتی اور پھر عصر سے مغرب تک درس حدیث ہوتا اور مغرب کی نماز کے بعد درسِ قرآن ہوا کرتا تھا اور ان دونوں دروس میں مولوی صاحب باقاعدگی سے شامل ہوا کرتے تھے۔ جبکہ چھٹی کا دن استاد وشاگرد سارا دن ہمارے انار والے باغ میں درس وتدریس میں گزارتے تھے جو حضرت ابوالبرکات سید حسن صاحب قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس کے قریب تھا۔ گویا یہ شعر مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر صادق آتا تھا

مکتب عشق کا دستور نرالا دیکھا
اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

والد محترم حضرت علامہ حافظ علی احمد جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیرومرشد پیر طریقت رہبر شریعت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرح مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی احترام کرتے تھے۔ اگر مولوی جی صاحب گھر کے کسی کام کا دیا سودا سلف لانے کے لیے اپنی خدمات پیش کرتے تو والد صاحب منع فرما دیتے اور وہ کام آپ کسی دوسرے شاگرد کے سپرد فرما دیا کرتے تھے۔

دوسرے لوگوں کی طرح مجھے بھی والد صاحب کے اس طرزِ عمل پر بڑی حیرت ہوتی تھی۔ والد صاحب میرا تعجب کرنا جان گئے اور پھر ایک روز مجھے اپنے پاس بٹھا کر یہ پر واقعہ سنایا کہ ''ایک دن میری طبیعت ناساز تھی، مجھے شدید بخار اور زکام تھا اور سردیوں کا موسم تھا۔ عصر کی نماز پڑھ کر میں نے امیر شاہ سے کہا کہ آج آپ طلباء کو سبق پڑھا دیں، میں مسجد کی چھت پر دھوپ میں آرام کرتا ہوں۔ چنانچہ میں اوپر دھوپ میں لیٹ گیا۔ اتنے میں ایک خوبصورت تخت مجھے فضا میں اڑتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ تخت اسی مسجد کی طرف آ رہا تھا اور پھر وہ سیدھا میری اس مسجد محلہ بڑ آسیا میں اتر آیا۔ تخت پر پیارے محبوب شفیع

المذنبین، رحمۃ للعالمین، احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جلوہ افروز تھے۔ چاروں خلفائے راشدین، حسنین کریمین اور حضور سیدنا غوث اعظم بھی تشریف فرما تھے۔ پیارے محبوب ﷺ ان سب حضرات کو خصوصاً امیر المومنین خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرکے فرمارہے تھے دیکھو میرا بیٹا امیر شاہ کس قدر محبت اور ادب و احترام کے ساتھ میری احادیث کا درس دے رہا ہے۔ کچھ دیر تک میں روح پرور منظر میں ملاحظہ کرتا رہا۔ اس کے بعد تخت اوپر چڑھنا شروع ہوا اور نظروں سے اوجھل ہوگیا لیکن ساری مسجد ایسے خوشبو سے مہک رہی تھی جو میں نے کبھی نہیں سونگھی تھی اور یہ سب کچھ عالم بیداری میں ہوا اور میری طبیعت ایسی ہشاش بشاش ہوگئی گویا کہ مجھے کوئی تکلیف ہی نہیں اور جب بھی میں اس ایمان افروز منظر کا تصور کرتا ہوں تو دل و دماغ منور اور مشام جاں معطر ہو جاتی ہے''۔

ان کو نہ رہی اور کسی بزم کی حاجت
آنکھوں سے جو دربارِ نبی دیکھ رہے ہیں

ایک مرتبہ قبلہ مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ آستانہ عالیہ قادریہ آقا پیر جان پشاور میں مریدین اور عقید تمندوں کے حلقے میں جلوہ افروز تھے کہ اچانک ایک اجنبی شخص داخل ہوا۔ سر پر پگڑی، لمبی داڑھی اور چہرے پر نورانیت اس کی وجاہت کو نمایاں کر رہی تھی۔ اس نے سلام کیا اور مولوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں گر پڑا۔ آپ نے اسے پکڑ کر اٹھایا اور پشتو میں فرمانے لگے ''مولوی صاحب اس قدر علم و فضل کے باوجود آپ ایک غیر شرعی حرکت کر کے مجھے گناہ گار کر رہے ہیں۔''

وہ زار و قطار رو رہا تھا۔ وہ کبھی مولوی جی صاحب کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا تو کبھی داڑھی مبارک چومنے لگتا اور پھر پیشانی کو بوسہ دیتے ہوئے ہچکیاں لینے لگا۔ مولوی جی صاحب نے اسے سینے سے لگایا اور اپنے مبارک ہاتھوں سے اس کے آنسو صاف کیے اور اپنے ساتھ مسند پر بٹھا لیا۔ اس نے اپنا تعارف کروایا وہ پشتو بول رہا تھا کہنے لگا'' قربان میں مسجد قاضی خیلاں پشاور میں امام ہوں اور پہلی مرتبہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا ہوں۔ میں نے رات کو خواب میں رسول کریم ﷺ کا دیدار کیا''۔ اس پر مولوی صاحب نے فوراً فرمایا کہ آپ کو بہت بہت مبارک ہو، سبحان اللہ یہ تو بہت بڑی سعادت ہے!

پھر وہ بندہ کہنے لگا کہ نبی کریم ﷺ نے از راہِ شفقت وعنایت مجھ سے کلام فرمایا اور یہ تاکید فرمائی کہ ''جب کبھی تمہارے دل میں میرے ساتھ ملاقات کی خواہش پیدا ہو تو میرے بیٹے امیر کے ساتھ مل لیا کرو۔ تمہارا ان کے ساتھ ملنا میرے ساتھ تمہاری ملاقات ہے۔'' تو میں نے خواب ہی میں حضور پاک ﷺ کی خدمت میں عرض کی حضور میں افغانستان کا باشندہ ہوں اور آپ کے بیٹے امیر شاہ کو نہیں جانتا، یہ کہاں رہتے ہیں؟ تو رسول اکرم ﷺ کے چہرہ انور پر ناگواری کے اثرات ظاہر ہوئے اور آپ ﷺ نے فرمایا پشاور میں رہ کر بھی تم میرے بیٹے سے غافل ہو۔

اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی اور میں سخت پریشان ہو گیا اور صبح میں نے اپنے ایک مقتدی سے آپ کے بارے میں پوچھا تو اس نے تفصیل سے مجھے آپ کے بارے میں بتایا۔ وہ بھی آپ کا مرید اور عقیدتمند ہے۔ اب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور آئندہ بھی باقاعدگی سے حاضری دیتا رہوں گا۔ البتہ میری ایک درخواست ہے کہ اپنے نانا جان ﷺ کے حضور میری سفارش فرمائیں کہ وہ میری کوتاہی معاف فرما دیں اور خواب کے آخر میں حضور ﷺ نے جو ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے میرا وہ جرم بخش دیں اور مجھ سے راضی ہو جائیں، جس پر مولوی جی نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا مولوی صاحب اس گھر کو اپنا گھر سمجھیں اور جب جی چاہے آجایا کریں اور پیارے محبوب ﷺ تو رحمت للعالمین ہیں، وہ اپنے غلاموں سے ناراض نہیں ہوتے۔ البتہ اس قسم کے الفاظ ارشادات دراصل تنبیہ و تادیب اور تاکید کے لیے ہوا کرتے ہیں۔ حضور ﷺ ہمیشہ ہمیں اپنے اپنی حضوری میں رکھیں[1]

میں تو کہتا ہوں میں تمہارا ہوں
تو بھی کہہ دے کہ یہ ہمارا ہے

ملک شام کے ایک ولی اللہ مدینہ منورہ میں رہائش پذیر تھے۔ انہیں ایک دن خواب میں سرورِ کون و مکان ﷺ کی زیارت اس حال میں نصیب ہوئی کہ رسول اکرم ﷺ کے دست اقدس میں ایک کتاب ہے جسے آپ بڑی توجہ سے ملاحظہ فرما رہے ہیں اور اس کے صفحہ پلٹتے ہیں اور مسکرا رہے ہیں۔ وہ

---

[1] راقم الحروف کی موجودگی میں یہ واقعہ پیش آیا۔

شامی بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کرتا ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کونسی کتاب ہے جسے دیکھ کر آپ اس قدر خوشی کا اظہار فرمارہے ہیں؟ تو پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتاب کا نام لیا کہ یہ ''انوارِ غوثیہ شرح شمائل النبویہ'' ہے تو میں نے دوسرا سوال کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کتاب کس نے لکھی ہے؟ تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا میرے بیٹے نے لکھی ہے۔ میں نے پھر پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے بیٹے کا نام کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا امیر شاہ! وہ شامی بزرگ عرض کرتا ہے حضور آپ کے بیٹے امیر شاہ کہاں رہتے ہیں؟ تو پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا پشاور میں۔ پھر وہ بیدار ہو گیا۔

دوسرے دن وہ اپنے ایک پاکستانی دوست مولانا فضل الرحمن صاحب انصاری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تشریف لے گئے جو مدینہ منورہ میں ہی مقیم تھے۔ اپنا یہ خواب انہیں بیان کر کے پشاور سے یہ کتاب منگوانے کی خواہش ظاہر کی تو نے انہوں نے فوراً پاکستان میں اپنے داماد حضرت علامہ شاہ احمد نورانی (مرکزی صدر جمعیت علماء پاکستان) کو فون ملایا اور ان سے پوچھا کہ پشاور شہر میں سید امیر شاہ صاحب رہتے ہیں، کیا آپ ان کو جانتے ہیں؟ تو نورانی صاحب نے فرمایا ہاں سید امیر شاہ قادری گیلانی ایک جید عالم دین اور بہت بڑے روحانی پیشوا ہیں، میرے بڑے اچھے دوست ہیں اور ہماری جماعت کے صوبائی صدر ہیں، میں جب بھی پشاور جاتا ہوں تو ان کے آستانے پر ہی قیام کرتا ہوں۔ یہ بتائیں کہ بات کیا ہے تو پھر انہوں نے اپنے شامی دوست کا یہ خواب انہیں سنایا اور تاکید فرمائی کہ اس کتاب کے دو نسخے حاصل کر کے مدینہ منورہ بھیج دیں۔

چنانچہ نورانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کراچی سے پشاور تشریف لائے اور مولوی جی صاحب کی دست بوسی کر کے یہ خواب سنایا تو قبلہ مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں انوارِ غوثیہ کے پانچ نسخے عطا فرمائے۔ حضرت علامہ پیر اکرم شاہ صاحب (سجادہ نشین گڑھی شریف افغانان، واہ کینٹ، سابق مرکزی ڈپٹی سیکرٹری جمعیت علماء پاکستان) اس واقعہ کے چشم دید گواہ ہیں کیونکہ وہ بھی شاہ احمد نورانی صاحب کے ہمراہ تھے)۔

اس کے بعد جب کبھی نورانی صاحب کے قبلہ مولوی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتے تو ضرور آپ کی دست بوسی کرتے اور جب بھی نماز کا وقت ہوتا تو باجماعت آپ کی اقتدا میں ادا کیا کرتے تھے اور کئی بار یہ بھی

فرمایا کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے موجود ہوں تو نورانی تو کیا کوئی بھی امامت کرنے کا حق دار نہیں اور متعدد مواقع پر یہ خواب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ”انوار غوثیہ شرح شمائل النبویہ“ کو بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شرف قبولیت حاصل ہے۔

یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے
یہ بڑے نصیب کی بات ہے

قبلہ مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ پہلی بار ۱۹۶۹ء۔ ۱۹۷۰ء میں بیت اللہ شریف کی سعادت سے بہرہ مند ہوئے۔ آپ بذریعہ روڈ پشاور سے افغانستان پہنچے۔ وہاں کے مشہور اولیاء اللہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مزارات پر حاضری دی، پھر ایران میں داخل ہوئے اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام اور دیگر اولیاء اللہ کے مزارات پر تشریف لے گئے۔ بعد ازاں عراق کے مقدس سرزمین پر بے شمار اولیاء کرام سے فیوض و برکات حاصل کئے۔ اگرچہ زیادہ تر وقت بغداد شریف میں اپنے جد اعلیٰ محبوبِ سبحانی، قندیل نورانی، شہبازِ لامکانی، ہیکل یزدانی حضرت ابو محمد محی الدین سیدنا الشیخ عبد القادر الحسنی الحسینی الجیلانی رضی اللہ عنہ کے مزار پُرانوار پر گزارا۔ لیکن مختلف اوقات میں نجف اشرف میں امام الاولیاء سند الاتقیا اسد اللہ غالب علیٰ کل غالب حیدر کرار امیر المومنین سیدنا ومولانا علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم کے مزار مبارک پر بھی حاضر ہوتے رہے۔ کربلائے معلیٰ تشریف لے گئے، کاظمین میں امام حضرت امام موسیٰ کاظم، حضرت امام محمد تقی کی زیارت کی۔ سامرا میں حضرت امام علی تقی علیہ السلام اور امام حسن عسکری علیہ السلام کے مزارات پر بھی حاضر ہو کر فیوض و برکات حاصل کئے۔ نیز حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت معروف کرخی، حضرت جنید بغدادی، حضرت سری سقطی، حضرت ابوبکر شبلی اور حضرت سلمان فارسی رحمہم اللہ کے مزارات اقدس پر بھی باقاعدگی سے حاضر ہوتے۔ پھر کویت سے ہو کر سعودی عرب پہنچے اور حج بیت اللہ ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔

مدینہ منورہ میں اس وقت حضرت حضرت شیخ حمزہ عمر روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلید بردار تھے اور گنبد خضرا کے اندرونی حصہ کی صفائی کے فرائض انجام دیا کرتے تھے۔ یہ منصب ابتدا سے اس خاندان میں

چلا آ رہا ہے اور یہ صحابی و موذنِ رسول ﷺ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں۔ انہیں بارگاہِ رسالت مآب ﷺ سے حکم ملا کہ ''پشاور سے میرا بیٹا امیر شاہ حج کے لیے آیا ہے، جب وہ مدینہ منورہ میں تشریف لے آئے تو اس سے مل کر اسے اپنے گھر لانا، اسے اپنے پاس رکھنا، اس کی خدمت کرنا اور اس بات کا خیال رکھنا کہ اسے کوئی تکلیف نہ ہو۔'' حضرت شیخ حمزہ عمر کو قبلہ مولوی جی صاحب کی صورت بھی دکھائی گئی تا کہ پہچاننے میں دِقت نہ ہو۔

چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ کی تعمیل میں انہوں نے جستجو شروع کر دی اور وہ روزانہ کئی بار مسجد نبوی شریف کا چکر لگاتے۔ اُس زمانے میں مسجد نبوی شریف ترکوں کی تعمیر کردہ عمارت تک محدود ہوا کرتی تھی یہ موجودہ توسیع بھی نہیں ہوئی تھی۔ غرض جب مولوی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مسجد نبوی تشریف میں داخل ہوئے تو حضرت شیخ حمزہ عمر نے انہیں پہچان لیا اور آپ سے مل کر اپنا تعارف کروایا اور امر نبوی ﷺ سے آپ کو آگاہ فرمایا اور اپنے ساتھ گھر لے آئے۔ اس وقت مسجد نبوی شریف کے ان موجودہ میدانوں کی جگہ شہر مدینہ منورہ آباد تھا۔ حضرت شیخ حمزہ عمر کی رہائش گاہ باب جبرئیل کے بالکل سامنے تھی۔ قبلہ مولوی جی نے تین ماہ ان کے ہاں گزارے۔

قبلہ مولوی جی کا زیادہ تر وقت مسجد نبوی شریف میں ہی گزرتا اور مسجد نبوی شریف میں بھی عموماً تین مقامات پر تشریف فرما ہوتے تھے: باب جبرئیل سے داخل ہو کر حضور پاک ﷺ کے قدم مبارک میں جہاں بیت سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا ہوا کرتا تھا۔ اصحابِ صفہ اور ریاض الجنہ میں اور ان تینوں مقامات پر اس جگہ نماز اور نوافل ادا فرمایا کرتے تھے جہاں جہاں پیارے محبوب ﷺ تشریف فرما ہوا کرتے۔ یہ ایک ایسا راز تھا جس سے مسجد نبوی شریف کے زائرین لاعلم تھے البتہ حضرت شیخ حمزہ عمر کو اس کا علم تھا۔ مولوی جی کے اس عمل سے ان کے دل میں ان کی قدر و منزلت مزید بڑھ گئی اور وہ رسول اکرم ﷺ اور قبلہ مولوی صاحب کے درمیان کمال درجہ کے تعلق اور رابطے سے کماحقہٗ آگاہ ہو گئے۔

یہ ایمان افروز معلومات حضرت شیخ عمر حمزہ رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے حضرت شیخ آدم نے ۱۴ اگست ۲۰۱۳ء کو ایک تقریر میں بیان فرمائے جب وہ مولوی جی صاحب کے صاحبزادے سید محمد سبطین گیلانی

المعروف تاج آغہ صاحب کی دعوت پر پاکستان تشریف لائے۔ وہ مدینہ منورہ سے سیدھا پشاور ائرپورٹ اترے۔ صدر پاکستان آصف علی زرداری اور وزیراعظم پاکستان نواز شریف نے بھی دعوت دی تھی لیکن وہ پہلے پشاور تشریف لائے اور پھر یہاں سے اسلام آباد روانہ ہوئے۔ آستانہ عالیہ قادریہ حسنیہ پشاور میں آپ کا شاندار استقبال کیا گیا۔ آپ نے تین گھنٹے یہاں گزارے اور عربی میں خطاب بھی فرمایا۔

تاج آغہ صاحب کے ساتھ اپنے گہرے مراسم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ پہلی مرتبہ اپنے والد گرامی مرتبت حضرت علامہ سید محمد امیر شاہ صاحب قدس سرہ کے ہمراہ ۱۹۷۳ء میں ان کے گھر مدینہ منورہ تشریف لائے تھے۔ ان کے چچا حضرت شیخ حمزہ عمر مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ساتھ تاج آغہ سے بھی بڑی عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ اس وقت سے جب بھی تاج آغہ صاحب مدینہ منورہ آتے ہیں تو ملاقات ہوجاتی ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ وہ تاج آغہ صاحب کے کہنے پر ہی پاکستان آئے ہیں ''اگرچہ مجھے وزیراعظم اور صدر پاکستان نے بھی دعوت دی ہے لیکن میں آلِ رسول کو حکمرانوں اور دوسرے لوگوں سے زیادہ اہمیت اور ترجیح اس لیے دیتا ہوں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مجھ سے راضی رہیں کیونکہ ہم سب کی دنیاوی اور اخروی کامیابی کا دارومدار رضائے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر ہے۔ یاد رکھو جس سے آلِ رسول راضی ہو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بھی اس سے راضی ہوتے ہیں''۔

انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ ان کے چچا شیخ حمزہ عمر رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''اس دور میں سید امیر شاہ جیلانی کو دیکھنا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھنے جیسا ہے۔'' پھر شیخ آدم نے فرمایا پاکستان کے رہنے والے عمومی طور پر اور اہل پشاور خصوصی طور پر بڑے خوش قسمت ہیں جنہیں امیر شاہ صاحب کو دیکھنا اور ان سے ملنا نصیب ہوتا رہا۔

راقم الحروف کو ایک طویل عرصہ تک قبلہ مولوی جی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قرب کی سعادت میسر رہی جس دوران ان کی سوانح حیات لکھنے کے سلسلہ میں متعدد بار انہیں انٹرویو بھی کیا۔ وہ حضرت شیخ حمزہ عمر کا تذکرہ تو بڑی محبت و شفقت سے فرمایا کرتے تھے لیکن مذکورہ بالا باتیں آپ نے کبھی نہیں بتائیں جن کا انکشاف پہلی بار حضرت شیخ آدم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

میرے دادا جی

ڈاکٹر اُمِ حبیبہ

حزن ایک تکلیف دہ احساس ہے۔ جن کو شعور ہوتا ہے وہ اس تکلیف کو مندمل کرنے کی تدابیر کرتے ہیں۔ بچھڑ جانے والے کے غم کی بہترین تھیراپی یہ ہے کہ ان کا ذکر کیا جائے اور اس کے ساتھ اگر ان کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی یا درود شریف کی مجالس کا اہتمام کر لیا جائے تو نہ صرف یاد کرنے والے کے دل کو صبر اور سکون میسر آتا ہے بلکہ مرحومین کی روح کو بھی خوشی نصیب ہوتی ہے۔

دادا جی (سیدنا مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ) کے محبوب فرزند اور میرے انتہائی شفیق والد سید محمد حسنین گیلانی کا انتقال اس سال جنوری کے وسط میں ہوا۔ اس غم کا مداوا مشکل ہے۔ ابو کی کمی ایک دو دھاری تلوار کی طرح میرے وجود کو چیرتے ہوئے ایک مستقل گھاؤ کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ ان المناک ایام میں مجھے کہا گیا کہ ''الحسن'' کے لیے دادا جی کی ذات بابرکات پر کچھ لکھنا ہے۔ مجھے تو گویا درد کا درمان میسر آ گیا۔ دادا جی میرے مرحوم والد کی زندگی کا محور تھے اور مجھے یقین ہے کہ اُس ہستی کے بارے میں لکھنا بیک وقت میری لیے اور میرے والد کی روح کے لیے سکون وقرار کا باعث ہوگا۔

اس سوچ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے میں اپنے مرشد کریم کی نذر یہ حقیر کاوش پیش کرنے کی جسارت کرتی ہوں۔

میرے پیارے دادا جی حضرت علامہ سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ ایک مدرس، معلم، عالم دین، سیاستدان، مؤرخ، محقق، روایت پسند سماجی کارکن اور ہزاروں متلاشیانِ حق کے مرشد کامل تھے۔ مجھے دادا جی کی زندگی کو بہت قریب سے دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ان کی زندگی اللہ کے اس دوست کی تھی جو زندگی کے شب و روز ایک مسافر کی طرح کاٹ کر رہا ہو کہ کب یہ ختم ہوں اور کب اپنے مالک و آقا سے ملاقات ہو۔

دادا جی موجودہ دور میں اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ کی مجسم تصویر تھے۔ وہ تمام عمر حضور نبی کریم ﷺ کے ارشاد مبارک کہ ہر کسی سے اس کے فہم کے مطابق بات کرو پر ہمیشہ عمل پیرا رہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ گھر کے ہر فرد سے، خاص طور پر بچوں سے، ان کے ذہنی شعور اور عمر کے مطابق سلوک کرتے۔

جب میں نے اپنے چچا زاد بھائی بہنوں سے دادا کی زندگی پر رائے طلب کی تو سب کے بیان میں دادا جی کی شخصیت کی کچھ خصوصیات کا ذکر تھا۔ مثال کے طور پر ان کی مسکراہٹ، بے لوث محبت، غیر جانبدارانہ برتاؤ، علم کی طلب، بامعنی گفتگو۔ دادا جی رحمۃ اللہ علیہ کی تمام عمر سنت رسول کریم ﷺ کے اتباع میں بسر ہوئی۔ ان کی انکساری، ہمدردی اور دوسروں کے دکھ درد کا احساس دراصل حضور ﷺ کی کی پیروی کی ایک عظیم مثال تھی۔ وہ سخاوت میں بھی حضور ﷺ کی مکمل پیروی کرتے تھے۔

میں نے دادا جی کی زندگی کو ہمیشہ احکامِ الٰہی اور سنت رسول ﷺ کا چلتا پھرتا نمونہ دیکھا۔ وہ رات کو جلد سونے اور فجر کی نماز کے وقت بیدار ہونے کے عادی تھے۔ میں نے شاذ و نادر ہی اُن کو اپنے اس معمول سے روگردانی کرتے ہوئے پایا۔

۱۹۹۷ء میں جب میرے والد صاحب بمعہ اہل وعیال ایبٹ آباد سے پشاور منتقل ہوئے تو میری دادی جان ''ماہ گل جی'' کے ارشاد پر عمل کرتے ہوئے میری والدہ نے اپنے سسر سیدنا مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ (جو کہ ان کے حقیقی چچا بھی تھے) کا ناشتہ تیار کرنے کی ذمہ داری سنبھالی اور دادا جی کے وصال تک اُسے بطریق احسن نبھایا۔ میری والدہ کے بقول یہ ذمہ داری کیا تھی بس ان سے فیوض و برکات کے حصول کا ایک بہانہ تھا۔ امی دادا جی کو اخبار سناتیں اور جو خبر انہیں اہم لگتی وہ اسے کٹوا کر ایک فائل میں لگوا لیتے تھے۔ دادا جی کو ملکی اور بین الاقوامی حالاتِ حاضرہ میں بھی گہری دلچسپی تھی، یہی وجہ تھی کہ وہ بلاناغہ بی بی سی کی اردو سروس ریڈیو پر سنتے۔

ان کا معمول تھا کہ ناشتے سے فراغت کے بعد وہ گھر کا سودا سلف اور لنگر غوثیہ کے لیے سبزی اور دیگر سامان لینے خود سبزی منڈی تشریف لے جاتے۔ اُس کے بعد آستانہ شریف میں آنے والے لوگوں سے ملتے اور ان مسائل سنتے اور انہیں حل کرنے کی حتیٰ الوسع کوشش کرتے۔ انہیں تعویذ اور وظائف دیتے

جبکہ لوگ اپنے چھوٹے بڑے مسائل کے حل کے ان سے مشورہ بھی کرتے۔

میرے ایک چچا زاد بھائی سید شبیہ الحسنین گیلانی نے دادا جی کی زندگی کے آخری چھ سات سال باقاعدگی سے دوپہر کا کھانا دادا جی ساتھ اکٹھے کھایا۔ دادا جی انہیں ''وزیرخوراک'' کہہ کر پکارتے۔ جب دسترخوان بچھتا تو اُس سے پہلے شبیہ بھائی چلمچی اور لوٹا لا کر دادا جی کے ہاتھ دھلواتے، دادا جی کلی کرتے گویا وہ سب کو آدابِ دسترخوان سکھاتے۔ یہاں دسترخوان لگتا اُدھر سب کو آواز دی جاتی خصوصاً میرے والد بزرگوار سید آغہ صاحب کو۔ بچوں کی دسترخوان پر موجودگی سے دادا جی بہت خوش ہوتے اور دادا جی کی عادت تھی وہ اپنے روٹی میں سے موجود سب لوگوں کو روٹی دیتے اور خوش ہو کر کہتے بچے بیٹھے ہیں اس رزق کا حساب نہیں ہوگا۔ کھانے کے بعد شبیہ بھائی دوبارہ دادا جی کے ہاتھ دھلوانے کی سعادت حاصل کرتے، اس طرح ''وزیرخوراک'' صاحب کی ڈیوٹی پوری ہو جاتی۔

مختصر سے قیلولہ کے بعد سہ پہر کو دادا جی ڈیوڑھی میں تشریف لے جاتے اور مغرب کی نماز کے بعد درس قرآن پاک دیتے جس میں زندگی کے مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے لوگوں بشمول علماء کی اچھی خاصی تعداد موجود ہوتی تھی۔

اگر میں دادا جی کی سماجی زندگی کا خاکہ پیش کرنے کی کوشش کروں تو اس کا خلاصہ ایک ہی جملے میں کیا جا سکتا ہے کہ انہیں ہندکو ورثے سے بہت لگاؤ تھا۔ اس کی مثال ''ہندکووان'' رسالہ ہے جس کے دادا جی سرپرست تھے۔ دادا جی مکمل طور پر ایک سرگرم سیاسی اور سماجی شخصیت تھے۔ وہ جمعیت علماء پاکستان کے صوبائی صدر ہونے کے ساتھ ساتھ جمعیت سادات کے بانی ارکان میں سے تھے۔ انہوں نے گندھارا بورڈ میں نہ صرف اپنی ادبی خدمات سرانجام دیں بلکہ مالی امداد میں بھی پیش پیش رہے۔ دادا جی نے اہل پشاور کو نصف صدی سے زیادہ قرآن پاک اور حدیث شریف کا درس دیا اور اپنے آپ کو پشاور کی علمی اور روحانی تربیت کے لیے وقف کیے رکھا۔

میرے خیال میں دادا جی کی حیاتِ مقدسہ کا خوبصورت باب ماہ گل جی (اماں) کے ذکر خیر کے بغیر نامکمل ہے۔ اماں کی زندگی فدائے مرشد و یار تھی۔ وہ اس گھر کا ایک اہم ستون تھیں جس نے نصف

صدی سے زیادہ عرصے تک اہل پشاور کو ایک محفوظ چھت مہیا کی۔ جہاں آ کر وہ اپنی پریشانیوں کا بوجھ ہلکا کرتے۔ جہاں اُن کی ذہنی، روحانی اور علمی تربیت کا بندوبست ہوتا بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اماں اور دادا جی اہل پشاور کے لیے ادبی اور سماجی درسگاہ تھے۔ اماں دادا جی کے ساتھ ہر قدم پر ایک مہربان اور دل پسند اور دردمند رفیق کے طور پر ان کے موجود ہوتیں۔

دادا جی کی غیر موجودگی میں عقیدت مند خواتین کی دلگیری کرنا۔ حضور غوث پاک ﷺ کا لنگر چلانا، بچوں کی تربیت، غرضیکہ سب کام پیشانی پر بل لائے بغیر کرنا اماں کا خاصہ تھا۔ وہ ایک انتہائی بردبار، ملنسار، مضبوط، دوراندیش، خوش اخلاق عورت تھیں اور فرماتی تھیں کہ ان کی اپنی جملہ صفات کا سہرہ دادا جی کو جاتا ہے۔

عجز کا یہ عالم تھا کہ خود کو غوث پاک کی خادمہ کہتی تھیں۔ میں نے اماں کو کبھی بھی نماز تو ایک طرف روزانہ کے اذکار اور دلائل الخیرات کی تلاوت بھی قضا کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ غرض یہ کہ اماں نے دادا جی کے ساتھ ایک مکمل اسلامی اور حیادار زندگی گزاری۔ میرے والد کے مطابق جب وہ چھوٹے تھے اور گھر کے کام کاج کا بوجھ بھی زیادہ تھا تب بھی اماں دلائل الخیرات قضا نہیں کرتی تھیں اور جب وہ باورچی خانے میں ہوتیں تو تب بھی ایک ہاتھ میں ہانڈی کا چمچہ اور دوسرے ہاتھ میں دلائل الخیرات ہوتی جسے وہ وقفے وقفے سے پڑھ رہی ہوتیں۔ دادا جی بھی گھر کے سبھی معاملات میں اماں سے لازماً مشورہ کر کے اُن کی رائے کو مقدم رکھتے۔

دادا جی کی ایک اور انتہائی خاص خوبی جو ان کو اپنے عہد کے علماء و مشائخ سے منفرد اور نمایاں کرتی ہے وہ اُن کا خواتین کو اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اصولوں کو عملی زندگی میں لاگو کرنے کی ترغیب دینا تھا۔ ہمارے گھر میں تعلیم اور زندگی کے ہر پہلو میں مرد اور عورت کی تفریق نہ تھی اور نہ ہے۔ میں نے ایک بار دادا جی سے کہا کہ میں وکیل بننا چاہتی ہوں تو دادا جی نے فرمایا کہ قائداعظم محمد علی جناح کی طرح لندن سے بیرسٹری کرو، میں خود تمہیں لندن لے جاؤں گا۔

میں نے اپنے ابو سے بات کی تو ابو نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم ڈاکٹر بنو۔ ابو کی خواہش کے

سامنے مجھے اپنا شوق قربان کرنا پڑا اور میں ڈاکٹر بن گئی۔

اس واقعہ کا مقصد اس بات کو اجاگر کرنا ہے کہ دادا جی خواتین سے متعلق تعصّبات سے بالاتر تھے۔ ان کی بیٹی ڈاکٹر سیدہ ام سلمٰی گیلانی نے علمی میدان میں بیش بہا کامیابیاں حاصل کیں۔ پاکستان سے پی ایچ ڈی کرنے کے بعد انہوں نے لندن سے اور ینٹل سائنسز میں پوسٹ ڈاکٹورل فیلوشپ بھی کی، پشاور کے مشہور جناح کالج میں درس وتدریس کے شعبے سے منسلک رہیں اور وہاں سے اسلامیات کے ہیڈ کی حیثیت سے ریٹائر ہوئیں۔

دادا جی کی پوتیوں میں دو میڈیکل ڈاکٹر اور ایک ڈینٹل سرجن ہیں جبکہ دو نے ایم فل انگلش اور مائیکرو بایولوجی میں ڈگریاں حاصل کر رکھی ہیں اور اندرون ملک اور بیرونِ ملک خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔ ان کی ایک پوتی سیدہ فروا گیلانی سویڈن کی ایک یونیورسٹی سے ''رلی جیئس سٹڈیز'' میں ایم ایس کر رہی ہیں، سیدہ مطہرہ گیلانی ناردن آئرلینڈ (انگلستان) سے انٹرنیشنل ریلشنز میں ایم ایس مکمل کرنے کے مراحل میں ہیں۔ ان تمام کامیابیوں کے پیچھے دادا جی کی وسیع النظری تھی جس کی وجہ سے خاندان کے مُردوں کی طرح عورتوں کو تعلیم کے یکساں مواقع فراہم ہوئے۔

دادا جی اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کے لیے بذات خود ہر وقت موجود تھے۔ جب اُن کے پوتوں اور پوتیوں کے قرآن پاک پڑھنے کا وقت آیا تو انہوں نے خود قاری صاحب کا بندوبست کیا۔ قاری صاحب دادا جی کی موجودگی میں ڈیوڑھی میں ہمیں پڑھاتے۔ دادا جی کا ایک کمال یہ بھی تھا کہ ان کے سب رفقاء اور معتقدین اور بچے سمجھتے تھے کہ وہ سب سے زیادہ ان سے محبت رکھتے ہیں۔ مولوی جی کے سارے بیٹے اُن کے ساتھ رہتے تھے اور گھر کے سب بچوں کو جیب خرچ ملتا تھا۔

یہ تحریر لکھتے ہوئے مجھے اپنی علمی کم مائیگی کا شدت سے احساس ہوا کیونکہ دادا جی جیسی ہستی پر لکھنا سمندر کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے۔ میری خوش نصیبی ہے کہ مجھے سرکار دو عالم ﷺ، اہل بیت اطہار علیہم السلام اور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد دادا جی سے نسبت ہے۔ اللہ رب العزت ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

گلدستہ تبریک و تحسین[1]

حضرت محمد عبدالقیوم طارق سلطانپوری

ہے ذات اس کی اس میں نہیں کوئی اشتباہ
علم و شعور فکرو تدبر کی بارگاہ

منزل نمائے قافلۂ عاشقانِ حق
وہ کاروانِ اہلِ وفا کا دلیل راہ

ساعی تمام عمر رہا بہرِ اوجِ دین
اسلام کا مجاہد و ملت کا خیر خواہ

اس ''پاک سرزمین'' کی تحصیل کے لیے
اہل نظر ہیں اس کی جدوجہد کے گواہ

ایوارڈ جو ملا ہے وہ حق دار اُس کا تھا
اس سے بلند تر ہے اگرچہ وہ عالی جاہ

تاریخ اس کی میں نے کہی ہے خوشی کے ساتھ
''بازیب اعترافِ کمالِ امیر شاہ''

۱۴۲۲ھ

[1] تحریک پاکستان میں نمایاں کردارادا کرنے پر ۲۰۰۱ء بمطابق (۱۴۲۲ھ) میں گولڈ میڈل ایوارڈ ملنے کے موقع پر۔

روایات اور جدید بصیرت کا امتزاج

سید شاکر الزمان گیلانی

قطب عالم حضرت علامہ سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی صورت میں بیسویں صدی کے وسیع روحانی منظر نامے میں ایک روشن ستارہ ابھرا نے جس نے اپنی روشنی سے دینی اور روحانی افق کو لگ بھگ ستر سال منور کیے رکھا۔

لوگ آپ کو محبت سے ''مولوی جی'' کے نام سے پکارتے ہیں۔ آپ ۱۹۲۰ء میں پشاور، جو اس وقت پاکستان کے شمال مغربی سرحدی صوبے کا ایک گنجان شہر تھا، کے ایک معزز حسنی سادات گھرانے میں پیدا ہوئے۔ سیدنا مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا سفر ابتدائی عمر سے ہی اسلامی علوم کی طرف مائل رہا۔ آنجناب کے والد برہان العاشقین حضرت حافظ سید محمد زمان شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی ایک عالم تھے جنہوں نے اپنے بیٹے کے مذہبی مطالعہ کے شوق کو مزید پروان چڑھایا۔

سیدنا مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ کے لڑکپن سے ہی ان کے والد نے یہ یقینی بنایا کہ وہ اپنے زمانے کے ممتاز علماء کرام سے تعلیم حاصل کریں۔ یہی وجہ ہے کہ حصولِ علم کے لیے آپ کو اس وقت کے جید علماء کرام خصوصی طور پر حضرت صاحبزادہ حافظ علی احمد جان، حضرت علامہ گل فقیر احمد چشتی اور حضرت علامہ عبدالرحیم پوپلزئی رحمھم اللہ جیسے مشہور اساتذہ کرام کی سرپرستی حاصل رہی۔

آنجناب کے دادا حضرت سید سعید احمد شاہ قادری گیلانی نے انہیں ''مولوی جی'' کا لقب عطا کیا جو جلد ہی حکمت اور تقویٰ کی علامت بن گیا۔ یہ نام جو ''عالم'' کے معنی میں ہے، نہ صرف ان کی اسلامی تعلیمات کی گہری سمجھ بوجھ کو سموئے ہوئے تھا بلکہ ایک روحانی رہنما اور علمی رہنما کے طور پر ان کے کردار کی بھی عکاسی کرتا تھا۔ ایک مرشد کے طور پر سیدنا مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ کا کردار صرف ایک مذہبی عالم کا نہیں بلکہ ایک روحانی رہنما کا بھی تھا جو اپنے مریدوں کو باطنی پاکیزگی اور محبت الٰہی کے پیچیدہ راستوں پر

چلنے میں مدد دیتے تھے۔

مرشد کے کردار کا ایک اہم پہلو اپنے مریدوں کو نفس پر قابو پانے میں مدد کرنا ہے جو تصوف میں روحانی ترقی کی بنیادی رکاوٹ سمجھی جاتی ہے۔ سیدنا مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ جو خود اپنی روحانی آزمائشوں اور پاکیزگی سے گزر چکے تھے، اس تبدیلی کے عمل میں دوسروں کی رہنمائی کے لیے ہر وقت چشم براہ رہتے۔ انہوں نے عملی مشورے اور روحانی طریقے جیسے تزکیہ نفس کے ذریعہ خدا کے قریب ہونے پر توجہ دینے کی تلقین کی۔ مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ تصوف کے بنیادی اصولوں پر کاربند رہتے ہوئے جدید مسائل اور چیلنجز سے نمٹنے کی اہمیت کو سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنے پیروکاروں کو تمام علوم کے حصول کی ترغیب دی۔ آپ نے اپنے معتقدین کو یقین دلایا کہ دنیوی علم کا حصول مثلاً سائنس اور ادب روحانی ترقی سے متصادم نہیں بلکہ اس کو سمجھنے کا ایک اہم ذریعہ ہیں۔

وہ ایک وسیع النظر عالم تھے اور ہمیشہ مختلف نقطہ ہائے نظر کا احترام کرتے ہوئے اتحاد بین المسلمین کوشش کرتے۔ آپ کی وسعت قلبی نے روایات اور جدیدیت کے درمیان ایک پل بنا دیا جس کی وجہ سے وہ ایک وسیع تر حلقہ تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے بشمول ان لوگوں کے جو بصورتِ دیگر تصوف کے طرف متوجہ نہ ہوتے۔ روحانی اور عقلی تصورات کو وضاحت اور شائستگی سے بیان کرنے کی ان کی خصوصیت نے انہیں علماء، طلباء اور متلاشیانِ روحانیت کے حلقوں میں یکساں مقبولیت دی۔

سیدنا مولوی جی کی تعلیمات میں مرکزی نقطہ یہ تھا کہ روحانیت کو عمل میں ظاہر ہونا چاہیے۔ ان کے نزدیک ایمان محض ایک ذاتی معاملہ نہیں ہے بلکہ یہ زندگی کے ہر پہلو میں پھیلنا چاہیے، بشمول معاشرتی ذمہ داری۔ انہوں نے اپنے پیروکاروں کے درمیان اعتماد اور کھلے پن کا ماحول پیدا کیا، اسلامی و روحانی بھائی چارے کے گہرے احساس کو فروغ دیا۔

حضرت سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی (مولوی جی) کی زندگی کا اثر ان کی وفات کے بعد بھی برقرار ہے۔ آپ کی تعلیمات، روحانی رہنمائی اور سماجی خدمت کا ورثہ آج بھی لوگوں کو متاثر کرتا ہے۔ آپ کی تصنیفات اور آپ کے فیض سے آج بھی لوگوں مستفید ہو رہے ہیں۔

حالات حاضرہ

معاشی بحالی: مربوط اصلاحات کی ضرورت

شبیر حسین امام

پاکستان کی معیشت کا انحصار مختلف ذرائع سے وصول کئے جانے والے قرضوں پر ہے جس میں بین الاقوامی مالیاتی ادارے (آئی ایم ایف) سے لیا گیا قرض اِس لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اِس سے قرض ملنے کی بنیاد پر پاکستان میں اقتصادی اصلاحات کے عمل پر عالمی اعتماد کی عکاسی ہوتی ہے اور آئی ایم ایف سے قرض ملنے کے بعد پاکستان کے قریبی سمجھے جانے والے (دوست) ممالک جیسا کہ سعودی عرب بھی قرض دیتا ہے یا سرمایہ کاری کرتا ہے۔

امریکہ کے دارالحکومت واشنگٹن میں صدر دفتر رکھنے والے ادارے آئی ایم ایف نے امسال ۱۱ اکتوبر کو ایک رپورٹ جاری کی جس میں پاکستان سے متعلق کہا گیا کہ اِس کی قرض واپسی (ادائیگی) کی صلاحیت خطرات سے مشروط ہے کیونکہ پاکستان میں اقتصادی اصلاحات سے متعلق حکمت عملیوں کے نفاذ میں سست روی جبکہ بروقت بیرونی فنانسنگ پر بہت زیادہ انحصار کیا جاتا ہے۔آئی ایم ایف کے بقول ستمبر ۲۰۲۴ء تک پاکستان کو دیا گیا قرض چھ ارب اکیاسی کروڑ ساٹھ لاکھ تک پہنچ چکا ہے۔

ذہن نشین رہے کہ جولائی ۲۰۲۴ء میں پاکستان نے آئی ایم ایف کے ساتھ سات ارب ڈالر کے نئے قرض کا معاہدہ کیا ہے جو سینتیس ماہ کا قرض پروگرام ہے اور اِس قرض کا مقصد پاکستان میں اقتصادی استحکام اور جامع ترقی کو مستحکم کرنا ہے۔

آئی ایم ایف کے بقول پاکستان کی اقتصادی بہتری کی راہ میں حائل رکاوٹوں اور خطرات میں قومی قرضوں اُور مجموعی مالی ضروریات میں اضافے کے علاوہ سماجی و سیاسی عوامل کا بھی عمل دخل ہے جن کے جاری و ساری رہنے کے باعث پاکستان کے لئے قرض یا اُس پر لاگو سود کی واپسی (ادائیگی) کے لیے درکار مالی حیثیت کمزور رہے گی۔

پہلا نکتہ: عالمی مالیاتی ادارہ (انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ یعنی آئی ایم ایف) اقوام متحدہ اور 'انٹرنیشنل فنانشل انسٹی ٹیوشن' کے اشتراک سے ۱۹۰ ممالک کی نمائندہ تنظیم ہے جو دسمبر ۱۹۴۵ء سے فعال ہے اور اِس کا صدر دفتر ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے دارالحکومت واشنگٹن ڈی سی (ڈسٹرکٹ کولمبیا) میں قائم ہے۔

اِس کثیر الجہتی قرض دینے والے ادارے کے قیام کا بنیادی مقصد کسی ملک کو مالیاتی مشکل کے دور سے نکالنے میں مالی و تکنیکی مدد فراہم کرنا ہے اور اِسی مقصد کے تحت یہ ادارہ کسی ملک کے قرض مانگنے پر، اُسے مجوزہ داخلی و خارجی اصلاحات کے ساتھ ''مشروط قرض'' دیتا ہے۔

دوسرا نکتہ: ایف ڈی انٹیلیجنس نامی تحقیقی ادارے کے مطابق ۱۲ اپریل ۲۰۲۴ء تک آئی ایم ایف نے مختلف ممالک کو مجموعی طور پر ایک سو انچاس ارب امریکی ڈالر قرض دیا ہے جس میں پاکستان کے ذمے واجب الادا قرض کا حجم تقریباً سات ارب ڈالر ہے۔ پاکستان آئی ایم ایف سے قرض لینے والے ممالک میں چوتھا بڑا ملک ہے۔

تیسرا نکتہ: پاکستان آئی ایم ایف کے علاوہ بھی مختلف ذرائع سے قرض لیتا ہے تاکہ بیرونی ادائیگیوں کے لیے درکار غیر ملکی کرنسی کی صورت زرِمبادلہ میسر رہے۔ اِس سلسلے میں چین، سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات سے مجموعی طور پر بارہ ارب ڈالر قرض لیا گیا ہے جبکہ سعودی عرب سے 'مؤخر ادائیگی' جیسی سہولت کے عوض تیل خریدا گیا ہے۔ اِسکے علاوہ پاکستان نے غیر ملکی بینکوں سے بھی قرض لے رکھا ہے جسے 'کمرشل فنانسنگ' کہا جاتا ہے اور اِس مد میں اضافی دو سے اڑھائی ارب ڈالر تک کے قرضے لیے گئے ہیں۔

چوتھا نکتہ: پاکستان کی معیشت اور معاشی جدوجہد کا انحصار غیر ملکی قرضوں پر ہے اور یہ انحصار مستقل معاشی حکمت عملی کا جزو بن گیا ہے۔ ستمبر ۲۰۲۴ء تک پاکستان کا مجموعی (کل) بیرونی قرضہ ایک سو تیس ارب ڈالر ہے۔ یہ صورتحال اِس لحاظ سے پریشان کن ہے کہ پاکستان کی قومی آمدنی یعنی خام پیداوار (جی ڈی پی) کی شرح نمو تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔

پانچواں نکتہ: ہر سال قرض لے کر معاشی بحران کو وقتی طور پر ٹال دیا جاتا ہے جو یقیناً معاشی مسائل کا حل نہیں۔ ماہرین اقتصادیات ایک عرصے سے تجویز کر رہے ہیں کہ......

۱: غیر ترقیاتی حکومتی اخراجات کم کیے جائیں۔

۲: ترقیاتی حکومتی اخراجات کرتے ہوئے پائیدار ترقی پر توجہ دی جائے۔

۳: حکومتی اخراجات کم کر کے سادگی اختیار کی جائے۔

۴: عام آدمی کی معاشی حالت کو بہتر بنانے کے لیے مہنگائی پر قابو پایا جائے اور محصولات (ٹیکسوں) کی شرح کم کی جائے۔

۵: انسداد بدعنوانی کی کوششوں میں تیزی لائی جائے۔ بدعنوان عناصر کو ایسی قرار واقعی سزائیں دی جائیں کہ دیگر عبرت حاصل کریں۔ ملک اور معیشت کرپشن اور نااہلی کے ساتھ اکٹھے نہیں چل سکتے۔

۶: خسارے میں چلنے والے سرکاری اداروں کی نجکاری کر کے اُن کا بوجھ قومی خزانے پر کم کیا جائے۔

ماہرین (ٹیکنوکریٹس) کی جانب سے اِن تجاویز کی ضرورت و اہمیت کو تسلیم تو کیا جاتا ہے لیکن قرضوں پر منحصر معیشت کی اصلاح اور معاشی استحکام کے خاطر خواہ اقدامات نہیں کیے جاتے جس کا نتیجہ بجلی و گیس اور پیٹرول، ڈیزل، یا سی این جی قیمتوں کی صورت میں سب کے سامنے ہیں۔ حکومتی اخراجات پورا کرنے کیلیے عام آدمی اور تنخواہ دار طبقات پر ٹیکس میں اضافے کے سوا اب بظاہر کوئی چارہ نہیں رہا۔

قومی معاشی دھارے کو حقیقی معنوں میں بدلنے کے لیے ایسی ٹھوس و مربوط معاشی اصلاحات ناگزیر ہیں جو سطحی مسائل سے بالاتر ہوں اور جن کی وجہ سے بیرونی فنڈنگ (قرضوں) پر انحصار وقت کے ساتھ کم ہوتا چلا جائے۔ اصلاحات کی اِن کوششوں میں ٹیکس دہندگان کی تعداد میں اضافے، سرکاری اداروں کی نااہلیوں کے خاتمے اور سیاسی طور پر بااثر افراد (اشرافیہ) سے نمٹنے جیسے مراحل ہیں۔

مالیاتی نظم و ضبط اور حقیقی و معنوی عملی اصلاحات کرنا وفاقی اور صوبائی حکومتوں کا کام ہے جس کے لیے مربوط قومی حکمت عملی (نیشنل ایکشن پلان) وضع کیا جانا چاہیے۔ قرضوں سے نجات اور معاشی اصلاح جیسے عزائم و اہداف مقرر کیے بغیر بہتری کا عملاً حصول ممکن نہیں ہوگا۔

نئی نسل اور اسرائیل کی بربریت

ڈاکٹر سیدہ جویریہ بخاری
اسٹنٹ پروفیسر بینظیر وویمن یونیورسٹی پشاور

بیت المقدس پہ اسرائیل قبضہ فلسطینیوں کی دیرینہ مزاحمت اور موجودہ سنگین صورتحال نے نہ صرف تمام دنیا کے حساس ذہنوں کو بری طرح سے متاثر کیا ہے بلکہ مسلمان نئی نسل کی سوچ پہ بھی بہت گہرا اثر چھوڑا ہے۔

۲۰۲۳ء سے پہلے کی دنیا میں عام لوگوں کو بس اتنا معلوم تھا کہ فلسطین ایک چھوٹا سا ملک ہے جو اسرائیل کے ساتھ مسلسل برسرپیکار ہے اور اس مزاحمت کی بنیاد مسجد اقصیٰ اور فلسطین پہ اسرائیل کا غاصبانہ قبضہ ہے۔ اس مسئلے کو مسئلہ کشمیر کی طرح ہی علاقائی معاملہ سمجھا جاتا رہا ہے مگر موجودہ سنگین کشیدگی اور فلسطینی عوام خاص طور پہ چھوٹے معصوم بچوں کے قتل عام نے ہر ایک کو کسی نہ کسی حد تک یہ سوچنے پہ مجبور کر دیا ہے کہ آج جو مسئلہ کسی ایک علاقہ کا ہے وہ کل کو جنگل کی آگ کی طرح پھیل کر ساری دنیا پہ اثر انداز ہو سکتا ہے۔ فلسطینی بچے جن کو آج ہم ٹی وی یا موبائل کی سکرین پہ دیکھ کہ صرف افسوس کر رہے ہیں کل کو وہ بچے ہمارے بھی ہو سکتے ہیں۔

میرے ذہن میں اس موضوع پہ لکھنے کے حوالے سے بہت سے خیالات گردش کر رہے تھے مگر جس دن میں نے اپنی بیٹی کی کسی عربی دوست سے فلسطینی بچوں پہ ہونے والے مظالم کی بات چیت سنی تو سوچا کہ آج کل کی نسل بظاہر لاپرواہ اور لاابالی نظر آتی ہے مگر ان کے احساسات وجذبات ہم سے زیادہ مختلف نہیں ہیں۔ خاص طور پر جب بات مذہب کی بنیاد پر کسی معصوم کی جان پر آجائے تو پھر ہماری نئی نسل کے ذہن بھی اتنی ہی حساسیت اور ہمدردی پہ مائل نظر آتے ہیں جتنا کسی بھی دوسرے ذی شعور اور پڑھے لکھے انسان میں ہو سکتے ہیں۔

موجودہ تنازعہ کی وجہ سے نہ صرف ہماری نئی نسل کے جذبات کو ہوا ملی ہے بلکہ نئی سوچ میں اپنی شناخت کی پہچان بیداری، یکجہتی کے احساسات بھی پیدا ہو رہے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی دیکھا جارہا ہے کہ نوجوان نسل میں مایوسی اور بے بسی کا احساس بھی بڑھ رہا ہے کیونکہ وہ مغربی میڈیا کے مقابلے میں مسلمان امہ کو بہت کمزور دیکھ رہے ہیں۔ وہ فلسطینیوں کی جدجہد اور قربانیاں دیکھتے ہوئے ان سے گہرا تعلق تو محسوس کرتے ہیں مگر ساتھ ہی ساتھ اس بات پہ شرمندگی اور ندامت کا شکار بھی نظر آتے ہیں کہ مسلم امہ کیوں اتنی بے بس نظر آتی ہے۔

اس بے بسی یا بے حسی کے بارے میں سوچتے ہوئے آج کی نسل بہت سے ضروری موضوعات پہ بات کرنا چاہتی ہے مثلاً انصاف کیا ہے؟ انسانی حقوق کا دائرہ کار کیا ہے؟ اور جغرافیائی سیاست کسے کہتے ہیں؟ ایسے سوالات کا اگر ہم بہ حیثیت استاد یا والدین تسلی بخش طریقے سے جواب دے سکیں تو ممکن ہے کہ ہم اپنی موجودہ اور آنے والی نسلوں کے ذہنوں کی دنیاوی سیاست میں مسلمانوں کی حیثیت و کردار اور ان کی شناخت کے بارے میں بہتر طریقے سے رہنمائی کر سکیں۔

پیشے کے اعتبار سے میں چونکہ ایک استاد ہوں اور نفسیات میرا تعلیمی میدان ہے اس لیے موجودہ اسرائیل فلسطین تنازعہ پہ بہت سارے مباحثے سننے دیکھنے کے بعد نئی نسل کی سوچ کے حوالے سے کچھ خاص نقاط درج ذیل ہیں۔

نمایاں بیداری: اس تنازعہ نے مسلمان نوجوانوں میں جغرافیائی سیاست انسانی حقوق اور عالمی ناانصافی کے بارے میں بیداری پیدا کی ہے اور اس وجہ سے مشرقِ وسطیٰ کی تاریخ اور سیاسی محرکات کے بارے میں ذہنوں میں تجسس پیدا ہوا ہے جس نے زیادہ سے زیادہ مباحثوں کو جنم دیا ہے۔

جذباتی تعلق واثر: موجودہ تنازعہ کے بارے میں سوشل میڈیا نے منفی و مثبت دونوں طرح کے اثرات مرتب کیے ہیں۔ فلسطینیوں کی بے بسی اور مسلم امہ کی بے حسی سے آج کی نسل گہرا جذباتی تعلق محسوس کرتی ہے جو ہمدردی، غصہ اور مایوسی کا باعث بنتے ہیں۔ ان سنگین حالات کا مشاہدہ نئے ذہنوں

میں ناانصافی کے شدید احساس اور تبدیلی کی خواہش کو جنم دے رہا ہے۔

شناخت اور یکجہتی: اس تنازعہ کی بدولت مسلمان نوجوانوں میں شناخت کا احساس تقویت پکڑ رہا ہے جس کی وجہ سے وہ فلسطین اور دیگر مظلوم قوموں کے ساتھ یکجہتی کو فروغ دیتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔

سماجی سرگرمی اور وکالت: اسرائیل فلسطین موجودہ کشیدگی کی وجہ سے ہماری نئی نسل تیزی سے سماجی سرگرمی اور سماجی تحریکوں میں شامل ہوتی نظر آ رہی ہے۔ وہ نہ صرف امن، انصاف اور انسانی حقوق کو فروغ دینے کی بات کرتے ہیں بلکہ فلسطینی نقطہ نظر کی حمایت اور ان کی آزادی کی تحریک کو مزید متحرک کرنے کے لیے سوشل میڈیا کے مختلف پلیٹ فارمز کا استعمال کر رہے ہیں۔

امن اور افہام و تفہیم کی خواہش: آج کا نوجوان نہ صرف فلسطینی عوام کی بے بسی پر ناخوش ہے بلکہ مسلم امہ کی خاموشی پر بھی پریشان اور غصے میں ہے۔ اس لیے وہ اس مسئلے کے پرامن حل کی خواہش رکھتا ہے۔ وہ بین المذاہب بات چیت، رابطے اور پرامن بقائے باہمی کا خواہاں ہے اور ایسے حل کے لیے سوچتا ہے جہاں فلسطین اور اسرائیل دونوں ممالک پرامن طریقے سے رہ سکیں۔

ایمان اور روحانیت پر اثرات: مسئلہ فلسطین نے مسلمانوں کے ایمانی کردار پر بہت بڑا سوال اٹھایا ہے۔ یہ نہ صرف انصاف، ہمدردی اور ضرورتمندوں کی مدد کرنے کی ذمہ داری کے بارے میں اسلامی تعلیمات پر بات چیت کی ترغیب دیتا ہے بلکہ اس بات پر بھی سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ ہمارے ذاتی عقائد، جغرافیائی و سیاسی حقائق اور ہمارے سماجی شعور کے درمیان ایک پیچیدہ عمل موجود ہے جن کی بنا پہ مسلم نوجوانوں کے نقطہ نظر اور اقدامات تشکیل پا رہے ہیں۔

بہت ضروری ہے کہ ہم اپنی نئی نسل کی توانائی اور ذہانت کو بروئے کار لائیں اور آزاد بات چیت کے مواقع فراہم کریں، انہیں سماجی تحریکوں میں تعمیری جدوجہد کی اہمیت کو سمجھنا سکھائیں تاکہ وہ اپنے مفاد اور صلاحیتوں کا مثبت اقدامات اور پرامن فیصلوں کی صورت میں اظہار کر سکیں۔

گیارہویں شریف کی شرعی حیثیت

مفتی خلیل الرحمٰن قادری گلوزئی مرحوم ومغفور
سابق مہتمم دارالعلوم شیر ربانی حاجی آباد شکر پورہ روڈ پشاور

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تیرے جد کی ہے بارہویں غوثِ اعظم
ملی تجھ کو ہے گیارہویں غوثِ اعظم

تمام برادرانِ اسلام کو معلوم ہونا چاہیے کہ گیارہویں شریف کی مبارک تقریب صرف یہ نہیں کہ پاکستان میں منعقد کی جاتی ہے بلکہ تمام بلادِ عرب وعجم میں بزرگانِ دین واہل ایمان اس کا اہتمام کرتے آئے ہیں اور تا قیامت کرتے رہیں گے۔ ہمارے ملک پاکستان و ہندوستان میں اس کی شہادت سب سے پہلے حضرت العلامہ محقق محدث شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے دی ہے، فرماتے ہیں

"بے شک ہمارے ملک ہندوستان میں آج کل عرس پاک حضرت غوث الاعظم قدس سرہ یعنی گیارہویں شریف کی گیارہویں تاریخ مشہور ہے اور یہی تاریخ آپ کی ہندی اولاد ومشائخ میں متعارف ہے"۔

شیخ ابوالمحانی سید موسیٰ الحسینی نے فرمایا ہے کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد اور پیر امام عبدالوہاب متقی مکی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی تاریخ کو گیارہویں شریف کا ختم دلایا کرتے تھے اور ان کے مشائخ حضرات بھی۔ (ما ثبت من السنۃ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صفحہ ۱۲۴)

گیارہویں شریف: درحقیقت گیارہویں شریف غوثِ کائنات حضرت محبوب سبحانی، قطب ربانی، شہباز لامکانی غوثِ اعظم سید شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی روح پرفتوح کو ایصالِ ثواب کرنے کا نام

ہے اور ایصالِ ثواب کا ثبوت قرآن کریم، احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سلف صالحین کی کتب اور اقوال سے اظہر من الشمس ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَالَّذِیۡنَ جَآءُوۡ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا

اغۡفِرۡ لَنَا وَلِاِخۡوَانِنَا الَّذِیۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِیۡمَانِ (۲۸) (الحشر)

ترجمہ: اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں۔

اَلَّذِیۡنَ یَحۡمِلُوۡنَ الۡعَرۡشَ وَمَنۡ حَوۡلَهٗ یُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّهِمۡ وَیُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ وَیَسۡتَغۡفِرُوۡنَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا رَبَّنَا وَسِعۡتَ کُلَّ شَیۡءٍ رَّحۡمَةً وَّعِلۡمًا فَاغۡفِرۡ لِلَّذِیۡنَ تَابُوۡا وَاتَّبَعُوۡا سَبِیۡلَكَ (غافر: ۷)

ترجمہ: فرشتے جو عرش اٹھاتے ہیں اور جو اس کے اردگرد ہیں اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں اور مسلمانوں کے لیے دعائے مغفرت مانگتے ہیں۔ اے رب ہمارے تیری رحمت اور علم میں ہر چیز سمائی ہے تو انہیں بخش دے جنہوں نے توبہ کی اور تیری راہ پر چلے۔

احادیث شریف

وَعَنۡ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتۡ أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ أُمِّی افۡتُلِتَتۡ نَفۡسَهَا وَأَظُنُّهَا لَوۡ تَکَلَّمَتۡ تَصَدَّقَتۡ فَهَلۡ لَهَا أَجۡرٌ إِنۡ تَصَدَّقت عَنۡهَا قَالَ نعم (متفق علیہ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۷۲)

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں عرض کی کہ بیشک میری والدہ اچانک فوت ہو چکی ہے اور میرا خیال ہے کہ اگر وہ بات کرتی تو صدقہ کرنے کی وصیت کرتی۔ اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اس کو اس کا ثواب پہنچے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں (یعنی تمہارے صدقہ کا ثواب تمہاری والدہ کو پہنچے گا)۔

وَعَنۡ عَبۡدِ اللّٰهِ بۡنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا الۡمَیِّتُ فِی الۡقَبۡرِ إِلَّا کَالۡغَرِیۡقِ الۡمُتَغَوِّثِ یَنۡتَظِرُ دَعۡوَةً تَلۡحَقُهٗ مِنۡ أَبٍ أَوۡ أُمٍّ أَوۡ أَخٍ أَوۡ صَدِیۡقٍ فَإِذَا

لَحِقَتْهُ كَانَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا (رواہ البیہقی فی شعب الایمان مشکوۃ شریف صفحہ ۲۰۹)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مُردہ کا حال قبر میں اس فریاد کرنے والے کی طرح ہے جو ڈوب رہا ہو، مُردہ انتظار کرتا ہے کہ اس کا باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی طرف سے کوئی صدقہ یا دعا پہنچے اور جب اس میت کو کسی ایک کی دعا پہنچتی ہے تو اس دعا کا پہنچنا اس کو دنیا کی تمام لذتوں سے محبوب تر ہوتا ہے۔

وَأخرج الطَّبَرَانِيّ فِي الْأَوْسَط عَن أنس سَمِعت رَسُول الله صلى الله عليه وسلم يَقُول مَا من أهل بَيت يَمُوت مِنْهُم ميت فيتصدقون عَنهُ بعد مَوته إِلَّا أهداها لَهُ جِبْرِيل على طبق من نور ثمَّ يقف على شَفير الْقَبْر فَيَقُول يَا صَاحب الْقَبْر العميق هَذِه هَدِيَّة أهداها إِلَيْك أهلك فاقبلها فتدخل عَلَيْهِ فيفرح بهَا ويستبشر ويحزن جِيرَانه الَّذين لَا يهدى إِلَيْهِم شَيْء (شرح الصدور صفحه ۱۲۹)

ترجمہ: روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے، فرماتے ہیں کہ میں نے سنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہ فرماتے تھے جن لوگوں میں سے کوئی فوت ہوجاتا ہے پھر وہ اہل خانہ اس مُردہ کے لیے صدقہ کرتے ہیں اس کے مرنے کے بعد تو حضرت جبرئیل علیہ السلام اس صدقہ کو ایک نورانی طبق میں لے کر اس مُردہ کی قبر پر جاکر کھڑے ہوجاتے ہیں اور یوں پکارتے ہیں اے عمیق (گہری) قبر والے یہ ہدیہ ہے، تیرے اہل نے تجھے ہدیہ کیا ہے، تو اس کو قبول کر۔ پھر وہ قبر میں داخل ہوتا ہے تو مردہ بہت خوش ہوتا ہے اور اس کے پڑوسی غمگین ہوجاتے ہیں اس لیے کہ انہیں کسی نے کوئی صدقہ خیرات دعا نہیں بھیجی ہے۔

وَأخرج فِي الْأَوْسَط عَن أبي هُرَيْرَة رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنهُ قَالَ

قَالَ رَسُول الله صلى الله عليه وسلم من حج عَن ميت فللذي حج عَنهُ

مثل أجره (شرح الصدور، علامه جلال الدين سيوطی رحمت الله عليه صفحه ۱۲۹)

ترجمہ: طبرانی نے اوسط میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جس نے کسی مُردہ کی طرف سے حج ادا کیا تو اس حج ادا کرنے والے کے لیے اتنا ہی اجر

ہے جتنا اجر اس مُردہ کے لیے ہے۔

وَأخرج أَبُو مُحَمَّد السَّمرقَنْدِي فِي فَضَائِل {قل هُوَ الله أحد} عَن عَليّ مَرْفُوعا من مر على الْمَقَابِر وَقَرَأَ {قل هُوَ الله أحد} إِحْدَى عشرَة مرّة ثمَّ وهب أجره للأموات أعطى من الْأجر بِعَدَد الْأَمْوَات (شرح الصدور صفحہ ۱۳۰)

ترجمہ: ابو محمد سمرقندی نے قل ھو اللہ احد سورہ کے فضائل میں حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے مرفوعاً حدیث شریف روایت کی ہے جو کوئی بھی کسی قبرستان کے پاس سے گزرے اور گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھے پھر اس کا ثواب اس قبرستان کے مُردوں کو بخش دے تو اس قبرستان میں جتنے مردے ہیں ان کی تعداد کے مطابق اللہ تعالیٰ اس پڑھنے والے کو اجر عطا فرمائے گا۔

وَأخرج أَبُو الْقَاسِم بن عَليّ الزنجاني فِي فَوَائده عَن أبي هُرَيْرَة قَالَ قَالَ رَسُول الله صلى الله عليه وسلم من دخل الْمَقَابِر ثمَّ قَرَأَ فَاتِحَة الْكتاب و {قل هُوَ الله أحد} و {أَلْهَاكُم التكاثر} ثمَّ اللَّهُمَّ إِنِّي جعلت ثَوَاب مَا قَرَأت من كلامك لأهل الْمَقَابِر من الْمُؤمنِينَ وَالْمُؤْمِنَات كَانُوا شُفَعَاء لَهُ إِلَى الله تَعَالَى

ترجمہ: ابو القاسم سعدی علی زنجانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فوائد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کوئی بھی قبرستان میں داخل ہو جائے اور سورہ فاتحہ اور سورہ قل ھو اللہ احد اور سورہ الھاکم التکاثر پڑھے اور پھر یوں کہے کہ اے میرے رب میں نے تیرے کلام پاک میں سے جو تلاوت کی اس کا ثواب میں نے اس قبرستان میں مدفون تمام مومنین و مومنات کی روحوں کو بخش دیا تو اس قبرستان کے تمام اموات اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قیامت کے دن اس ثواب بخشنے والے کے لیے شفاعت کریں گے۔۔۔انتہیٰ۔

بخوفِ طوالت چند احادیث مرقوم کی گئیں ورنہ اس ضمن میں احادیثِ کثیرہ موجود ہیں جس سے اہل علم حضرات بخوبی آگاہ ہیں۔

اب میں سلفِ صالحین کی کتابوں اور اقوال سے کچھ حوالے پیش کرتا ہوں۔ حضرت شیخ محقق

محدث عبدالحق دہلوی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں

''مستحب است کہ تصدق کردہ شود از میت بعد از رفتن او تا ہفت روز و تصدق از میت ---نفع می کند او را بے خلاف میان اہل علم و وارد شدہ اس دران احادیث صیحہ خصوصاً آب و بعض از علماء گفتہ اند کہ نمی رسد میت را مگر صدقہ و دعا و در بعض روایات آمدہ است کہ روح میت می آید بخانہ خود در شب جمعہ پس نظر کند کہ تصدیق می کنند از وے یا نہ''۔

(اشعۃ للمعات، جلد اول، صفحہ ۷۶۲)

ترجمہ: اگر کوئی فوت ہو جائے اور اس دارِ فانی سے رخصت ہو جائے تو مستحب ہے کہ میت کی طرف سے سات دن تک صدقہ دیا جائے۔ علماء کرام کا اس میں اتفاق ہے کہ صدقہ میت کی طرف سے دینا فائدہ مند ہے اور اس بارے میں صحیح احادیث شریفہ وارد ہیں خصوصاً پانی کے متعلق بعض علماء نے فرمایا ہے کہ میت کو صرف صدقہ اور دعا پہنچتی ہے اور بعض روایات میں آیا ہے کہ میت کی روح جمعہ کی رات اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اس کی طرف سے اہل خانہ صدقہ خیرات کرتے ہیں یا کہ نہیں۔

امام الائمہ حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بتاتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ شوق فرماتے تھے کہ میتوں کے لیے دعا کی جائے، ان کے لیے صدقہ دیا جائے اور ایسی عبادتیں کی جائیں جن کی مُردوں کے لیے کرنے کی ہدایت ہے اور جو ان کے قریبی رشتہ داروں اور بھائیوں کی طرف سے کی جاتی ہیں۔ آپ فرماتے تھے کہ یہ سب چیزیں انہیں فائدہ دیتی ہیں''۔[۱]

حضرت علامہ دوران مولانا اخوند درویزہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

''در انیس الاتقیاء مسطور است کہ چو مردہ را دفن کنند و در خانہ بیایند ہمدردان روز باید

۱: (کشف الغمہ اول امام شعرانی، مترجم: شاہ محمد چشتی، ادارہ پیغام الاسلام لاہور، صفحہ ۳۸۶)

کہ چیزے تصدق از جہت اوبکنند کہ مطلق رسید نیست و بد ومیرسد۔"[۱]

ترجمہ: "انیس الاتقیاء" میں مرقوم ہے کہ میت کو دفن کرنے کے بعد جب گھر واپس آجائیں تو اسی دن مردہ کی طرف سے صدقہ خیرات کریں کہ اس کو پہنچتا ہے اور معتزلہ اس کے خلاف ہیں یعنی ان کے نزدیک مردہ کو صدقہ وغیرہ نہیں پہنچتا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ ابو یزید قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سن رکھا تھا کہ جو شخص ستر ہزار مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھے گا اس کو آتش دوزخ سے نجات ملے گی۔ لہٰذا میں نے ایک نصاب یعنی ستر ہزار کی تعداد اپنی بیوی کے لیے پڑھا اور ایک نصاب خود اپنے لیے پڑھ کر ذخیرہ آخرت بنایا۔ ہمارے پاس ایک نوجوان رہتا تھا جس کے متعلق یہ مشہور تھا کہ یہ صاحبِ کشف ہے، جنت دوزخ کا بھی اس کو کشف ہوجاتا ہے لیکن مجھے اس کی صحت میں تردد تھا۔

ایک مرتبہ وہ نوجوان ہمارے ساتھ کھانے میں شریک تھا کہ دفعتاً اس نے ایک چیخ ماری اور سانس پھولنے لگا اور کہنے لگا کہ میری ماں دوزخ میں جل رہی ہے، اس کی حالت مجھے نظر آئی۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں اس کی گھبراہٹ دیکھ رہا تھا، مجھے خیال آیا کہ ایک نصاب یعنی ستر ہزار بار کلمہ اس کی ماں کو بخش دوں۔ چنانچہ میں نے ایک نصاب اس کی ماں کو بخش دیا۔ میرے اس کلمہ پڑھنے کی خبر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ تھی مگر وہ نوجوان فوراً کہنے لگا چچا میری ماں دوزخ کی آگ سے ہٹادی گئی۔ قرطبی کہتے ہیں کہ مجھے اس واقعے سے دو فائدے ہوئے: ایک تو اس برکت کا جو ستر ہزار کی مقدار میں میں نے سنی تھی اس کا تجربہ ہوا اور دوسرے اس نوجوان کی سچائی کا یقین ہوگیا۔ (فضائل ذکر صفحہ ۸۴، ۸۵)

یہی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب فرماتے ہیں کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم شریف کی شرح میں تحریر فرمایا ہے کہ صدقہ کا ثواب میت کو پہنچنے میں مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہی مذہبِ حق ہے اور بعض لوگ جو کہتے ہیں کہ میت کو اس کے مرنے کے بعد ثواب نہیں پہنچتا یہ قطعاً باطل ہے اور کھلی خطا ہے، یہ قرآن کریم کے خلاف ہے، یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کے سراسر

[۱]: اخوند درویزہ ننگرہاری، ارشاد الطالبین، صفحہ ۲۵۰

خلاف ہے اور یہ اجماعِ امت کے بھی خلاف ہے۔ لہٰذا ان کا یہ قول ہرگز قابل التفات نہیں۔ (فضائل صدقات، صفحہ ۹۵، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، مصنف ''تبلیغی نصاب'' مدرسہ مظاہر العلوم، انڈیا)

''خزینۃ الاصفیاء'' صفحہ ۴۸۳ کے فارسی متن کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے:

ترجمہ: حضرت شیخ محمد داؤد کا یہ معمول تھا کہ ہر سال حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے سالانہ عرس کی رات کو بہت بڑی مجلس کا انعقاد فرمایا کرتے جس میں ختم قرآن اور ذکر واذکار ہوا کرتا اور وافر طعام مہیا فرما کر غرباء اور فقراء میں تقسیم کیا کرتے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے عرس کے موقع پر ان کا ہاتھ بالکل خالی تھا اور ان کے پاس کچھ رقم بھی نہ تھی۔ تب حضرت شیخ محمد داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خلیفہ خاص شیخ سوندھا رحمۃ اللہ علیہ کو فرمایا کہ عرس (گیارہویں شریف) میں خرچہ کرنے کے لیے کسی دوست سے کچھ رقم بطور قرضِ حسنہ لے لیں۔ حضرت شیخ داؤد رحمۃ اللہ علیہ اپنے خلیفہ شیخ سوندھا کو یہ ارشاد فرما کر خود حجرہ شریف میں قیلولہ کے لیے چلے گئے۔ کچھ دیر بعد جب قیلولہ سے بیدار ہوئے تو شیخ سوندھا کو طلب فرما کر ان کو فرمایا کہ عرس (گیارہویں شریف) میں خرچہ کرنے کے لیے کسی سے بھی قرض رقم نہ لینا کیونکہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے خود عرس کا خرچہ عطا فرما دیا اور اس کارِ خیر میں مدد فرمائی۔ یعنی جب میں قیلولہ کرنے گیا تو حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی روح پُرفتوح نے مجھے گیارہ روپیہ نقد اور ایک اشرفی عطا فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اس رقم کو عرس (گیارہویں شریف) کے مصارف میں خرچ کرو۔

اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ گیارہویں شریف کرنا بالکل جائز امر ہے اور اس سے حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوتے ہیں یہاں تک کہ روحانی طور پر امداد بھی فرمادیا کرتے ہیں۔

بڑی گیارہویں شریف: یوں تو اہل ذوق ہر ماہ حضرت غوث اعظم، محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا عرس مبارک مناتے اور گیارہویں شریف کی فاتحہ دلاتے ہیں لیکن ماہِ ربیع الثانی میں چونکہ آپ کا وصال ہوا تھا اس لیے اسے بڑی گیارہویں شریف کا مہینہ بھی کہا جاتا ہے۔ گیارہویں شریف علماء اہلسنت و بزرگان ملت کے معمولات میں سے ہے۔

(رِضائے مصطفیٰ، صفحہ ۵)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو کل ہند و پاک کے علماء حدیث کے استاد ہیں گیارہویں شریف سرکاری طور پر منائے جانے کا ثبوت پیش فرماتے ہیں کہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے روضہ مبارک پر گیارہویں تاریخ کو بادشاہ وغیرہ شہر کے اکابرین جمع ہوتے، نماز عصر کے بعد مغرب تک کلام اللہ کی تلاوت کرتے اور حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی مدح میں قصائد اور منقبت پڑھتے، مغرب کے بعد سجادہ نشین درمیان میں تشریف فرما ہوتے اور ان کے اردگرد مریدین حلقہ بگوش بیٹھ کر ذکر جہر کرتے، اسی حالت میں بعض پر وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی۔ اس کے بعد طعام شرینی جو نیاز تیار کی ہوتی تقسیم کی جاتی اور نماز عشاء پڑھ کر لوگ رخصت ہو جاتے۔ (ملفوظات عزیزی فارسی، صفحہ ۶۲)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''کلمات الطیبات'' میں مکتوبات مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مکتوب میں ہے کہ انہوں نے خواب میں ایک وسیع چبوترہ دیکھا جس میں بہت سے اولیاء اللہ حلقہ باندھ کر مراقبہ میں ہیں اور ان کے درمیان حضرت خواجۂ نقشبند دوزانو اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ تکیہ لگا کر بیٹھے ہیں۔ استغناء ماسواء اللہ و کیفیات فنا آپ میں جلوہ نما ہیں پھر یہ سب حضرات کھڑے ہو گئے اور چل دیئے۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ یہ معاملہ کیا ہے؟ تو ان میں کسی نے بتایا کہ امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے استقبال کے لیے جارہے ہیں۔ پس حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم تشریف لائے، آپ کے ساتھ ایک گلیم پوش سر اور پاؤں سے برہنہ ژولیدہ بال بھی ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ان کے ہاتھ کو نہایت عزت اور عظمت کے ساتھ اپنے ہاتھ مبارک میں لیا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں تو جواب ملا کہ یہ خیر التابعین حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر ایک حجرہ شریف ظاہر ہوا جو نہایت ہی صاف تھا اور اس پر نور کی بارش ہو رہی تھی۔ یہ تمام باکمال بزرگ اس میں داخل ہو گئے، میں نے اس کی وجہ دریافت کی تو ایک شخص نے کہا کہ ''امروز عرس حضرت غوث الثقلین است بتقریب عرس تشریف بروند'' یعنی آج حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کا عرس (گیارہویں شریف) ہے، عرس پاک کی تقریب پر تشریف لے گئے ہیں۔

(کلمات طیبات فارسی، مطبوعہ دہلی، صفحہ ۷۸)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

''دوم آنکہ بہ ہیئت اجتماعیہ مردمانِ کثیر جمع شوند وختم کلام اللہ وفاتحہ برشرینی وطعام نمود تقسیم درمیان حاضران کنند ایں قسم معمول در زمانہ پیغمبر خدا ﷺ وخلفائے راشدین نبود اگر کسے ایں طور کند باک نیست بلکہ فائدہ اموات را حاصل میشود۔''

(فتاوی عزیزیہ، صفحہ ۴۵)

ترجمہ: دوسری بات یہ کہ بہت سے لوگ جمع ہوں اور ختم قرآن پڑھ کر اور کھانے شیرینی پر فاتحہ کر کے حاضرین میں تقسیم کریں، یہ قسم حضور ﷺ اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں مروج نہ تھی لیکن اگر کوئی کرے تو حرج نہیں بلکہ زندوں کی طرف سے مُردوں کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مولانا جلال الدین کو لکھتے ہیں: ''اعراس پیران بر سنت پیران بسماع وصفائی جاری دارند'' (مکتوب نمبر ۱۸۲) یعنی پیروں کا عرس پیروں کے طریقہ سے قوالی اور صفائی کے ساتھ جاری رکھیں۔ (جاء الحق، جلد ۱، صفحہ ۳۲۳)

علامہ مفتی غلام سرور لاہوری ''خزینۃ الاصفیاء'' میں فرماتے ہیں

''وعرس سالینہ آنحضرت (غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ) در ہندوستان بتاریخ یازدہم بعضے بہ ہفتادہم ربیع الثانی میکنند ودر بغداد ہفتادہم ماہ مذکور میشود ومزار محبوب پروردگار در اشرف البلاد بغداد در مدرسہ باب الزرج واقع شدہ وباید دانست کہ خوارق عادت و کرامات کہ از آں سید کائنات بوقوع امدا ندو باید انداز ہیچ کدام ولی اللہ سرزدنگشتہ در بہجۃ الاسرار وتحفہ قادریہ و انیس القادریہ و مناقب غوثیہ وغیرہ مفصل ومشروح مذکور۔۔۔۔الخ (خزینۃ الاصفیاء، جلد ۱، صفحہ ۹۹)

ترجمہ: اور حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا سالانہ عرس (گیارہویں شریف) ہندوستان میں گیارہ اور بعض حضرات سترہ ربیع الثانی کو مناتے ہیں اور بغداد شریف میں ماہِ مذکورہ ربیع الثانی کی سترہ تاریخ کو منائی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے محبوب غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا مزار پر انوار گوہر با اشرف البلاد بغداد شریف کے

مدرسہ کے باب الزرج میں واقع ہے اور یہ بات بھی جان لینا چاہیے کہ خوارقِ عادات اور کرامات جتنے کہ آپ سیدِ کائنات (غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ) سے ظہور پذیر ہوئے ہیں اتنے اور کسی ایک ولی اللہ سے بھی ظہور پذیر نہیں ہوئے جو بہجۃ الاسرار، تحفہ قادریہ، انیس قادریہ اور مناقبِ غوثیہ وغیرہ کتب میں بہت تفصیل و تشریح کے ساتھ مذکور ہیں۔

اسی طرح ''سیف المقلدین'' حصہ دوم، صفحہ ۳۷۵ میں ہے

''اگر از اعمال احیاء مر مردگان را فائدہ نبودے پس شارع علیہ السلام چگونہ روا داشتی و قائم گذاشتے ونیز ۔۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از طرف امت خود چرا قربانی فرمودندی ودر کلام ربانی برائے دعاء درحق والدین و دیگر مؤمنین چگونہ تعلیماً صدر گشتی) رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ (ابراھیم: ۴۱)''

ترجمہ: اگر زندوں کے اعمال سے مُردوں کو فائدہ نہ ہوتا تو شارع علیہ السلام اس کو کیوں جائز رکھتے اور پھر یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کی طرف سے قربانی کیوں فرماتے اور قرآن کریم میں والدین اور دیگر مؤمنین کے حق میں دعا کرنے کے لیے تعلیماً کیوں یہ آیت شریف نازل ہوتی ۔۔رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ ۔۔الیٰ آخرہ)

اسی کتاب میں آگے چل کر فرماتے ہیں

''دبحر الرائق مینوسید الاصل ان اللسان له ان يجعل ثواب علمه لغيره صلوة او صوما صدقة او قرآة قرآن آن او ذكر او طواف او حجا او عمرة وغير ذلك عند اصحابنا اهل السنة'' (سیف المقلدین حصہ دوم، صفحہ ۳۸۱)

ترجمہ: ''بحر الرائق'' میں ہے کہ اصل اس باب میں یہ ہے کہ آدمی کے لیے شرعاً یہ اختیار ثابت ہے کہ وہ اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو بخش دے چاہے وہ نماز کا ثواب ہو، روزہ کا، صدقہ خیرات کا، قرآن کریم کی تلاوت کا، ذکر الٰہی کا، طوافِ کعبہ کا، حج اور عمرہ کا یا ان کے علاوہ کسی بھی نیکی کا ثواب ہو۔

''بہارِ شریعت'' میں ہے تیجہ، دسواں، چالیسواں، ششماہی، برسی کے مصارف میں بھی یہی تفصیل ہے کہ اپنے مال سے جو چاہے کرے اور میت کو ثواب پہنچائے۔ (بہارِ شریعت، حصہ چہارم، صفحہ ۱۱۵)

''شرح عقائد'' میں ہے

وفی دعا الاحیاء للموات و صدقتھم ای صدقۃ الاحیاء عنھم نفع لھم ای للموات خلافا للمعتزلۃ (شرح عقائد نسفی، صفحہ ۲۵۲)

ترجمہ: زندہ لوگ جو وصال شدہ حضرات کے لیے دعا مانگتے ہیں اور ان کی طرف سے صدقات کرتے ہیں اس کا وصال شدہ لوگوں کو نفع پہنچتا ہے اور معتزلہ کا اس میں خلاف ہے یعنی وہ منکر ہیں کہ اس کے ایصالِ ثواب سے ان کو فائدہ ہوتا ہے۔ (توضیح البیان، صفحہ ۱۴۴)

مروجہ ایصالِ ثواب: وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ کے متعلق صدر الافاضل رحمہ اللہ نے فرمایا

''راہِ خدا میں خرچ کرنے سے یا زکوٰۃ مراد ہے جیسے دوسری جگہ فرمایا يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ یا مطلق انفاق مراد ہے خواہ فرض و واجب ہو جیسے زکوٰۃ و نذر اپنا اور اپنے اہل کا نفقہ وغیرہ خواہ مستحب ہو جیسے صدقاتِ نافلہ، اموات کا ایصالِ ثواب مثلاً گیارہویں شریف فاتحہ، تیجہ (تیسرا)، چالیسواں وغیرہ بھی اس میں داخل ہیں کہ وہ سب صدقاتِ نافلہ ہیں اور قرآن پاک کا پڑھنا کلمہ شریف کا پڑھنا، نیکی کے ساتھ اور نیکی ملا کر اجر و ثواب بڑھ جاتا ہے۔ (توضیع البیان صفحہ ۱۲۵)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبادتِ مالیہ سے مُردوں کو نفع اور ثواب حاصل ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ (جامع البرکات، مسائل اربعین، صفحہ ۳)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمہور فقہاء کرام نے حکم فرمایا ہے کہ ہر عبادت کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ (تذکرہ الموتٰی والقبور، صفحہ ۴۳)

ایصالِ ثواب کے لیے تعین یوم کی وضاحت

گذشتہ سطور میں میں نے ایصالِ ثواب کا شرعی ثبوت فراہم کیا۔ اب میں ایصالِ ثواب کے لیے کسی دن کو مقرر کرنے کے متعلق کچھ وضاحت کرنا چاہتا ہوں جس کی وجہ یہ ہے کہ منکرین ومخالفین ہمیشہ یہ

رٹ لگاتے رہتے کہ گیارہویں شریف کے لیے گیارہویں تاریخ کا تقرر بدعت اور حرام ہے۔ اس بارے ''توضیح البیان'' کی عبارت ملاحظہ فرماویں:

''ایصالِ ثواب معین تاریخوں میں بلا شبہ جائز ہے کیونکہ دلائلِ شرعیہ سے ایصالِ ثواب کے حکمِ کلی کا جواز ثابت ہے اور ایسا غوجی کے طالبعلم سے بھی یہ امر مخفی نہیں ہے کہ کلی اپنے افراد کے ضمن میں پائی جاتی ہے۔ پس سوئم، چہلم، عرس گیارہویں شریف وغیرہ ایصالِ ثواب کے افراد ہیں اور جس طرح کلی بغیر افراد کے پایا جانا باطل ہے اس طرح نفس ایصالِ ثواب کا بغیر کسی معین دن کے پایا جانا باطل ہے۔

(توضیع البیان، صفحہ ۱۴۶)

اکابرین علماء دیوبند کے مقتداء اور پیر روشن ضمیر حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی صاحب فرماتے ہیں

''نفسِ ایصالِ ثواب ارواحِ اموات میں کسی کوئی کلام نہیں۔ اس میں تخصیص اور تعین کو ماقوف علیہ ثواب کا سمجھے یا فرض یا واجب اعتقاد کرے تو ممنوع ہے۔ اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت باعثِ تقید ہیئت کذائیہ ہے تو کچھ حرج نہیں جیسا کہ بمصلحت نماز میں سورہ خاص معین کرنے کو فقہاء و محققین نے جائز رکھا ہے۔

(فیصلہ ہفت مسئلہ، صفحہ ۸)

ظاہر ہے کہ اہلسنت ان عرفی تاریخوں کو فرض یا واجب اور ان کے علاوہ دوسری تاریخوں کو حرام نہیں سمجھتے ہیں بلکہ اس پر بھی عمل کرتے ہیں۔ حضرت حاجی امداداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے ظاہر ہوا کہ کسی مصلحت کی وجہ سے اگر ایصالِ ثواب کے لیے کسی تاریخ کا تعین کیا جائے تو یہ جائز ہے اور اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ہم کو ظہر کی نماز پڑھنے کا حکم دیا اور حکم مطلق ہے ظہر کی نماز اپنے پورا وقت میں سے جس وقت بھی پڑھ لی جائے ادا ہو جائے گی لیکن اس کے باوجود مساجد میں ادائیگی کا وقت معین کر دیا جاتا ہے، کہیں ظہر ڈیڑھ بجے ہوتی ہے اور کہیں دو بجے اور کہیں اڑھائی بجے۔ لیکن یہ تعین عرفی ہوتا ہے اور اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ ان معین اوقات کے علاوہ اگر پہلے یا بعد

نماز ادا کی گئی تو نماز ناجائز ہوگی۔ اسی طرح سوئم، چہلم، عرس گیارہویں شریف وغیرہ کا معاملہ ہے۔ ان ایام کا تعین عرفی ہے اور ان ایام کے پہلے یا بعد بھی اگر ایصالِ ثواب کیا جائے تو بلاشبہ جائز ہے۔

(توضیح البیان صفحہ ۱۴۱)

حضرت شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ملاحظہ کریں

"در حدیث شریف است کہ یہود عرض کردند در حضور جناب نبوت کہ حق تعالیٰ نصرتِ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام وغرق فرعون دریں روز برداست برائے شکرانہ اوروزہ میگریم۔ جناب نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمودند **انا احق من وفا بذمة الی موسی فصام یوم عاشورا و امر الناس بصامه** و نیز حضرت بلال رضی اللہ عنہ راوصیت فرمودند بصوم یوم دوشنبہ وفرمودند **فیه ولدت و فیه انزل علی وفیه هاجرت و فیه اموت** بنابریں یادکردن تاریخ وآں ماہ رسم مردم افتادواگرچہ فی الحقیقت یادداشتن آنروز وز فائدہ ندانست زیرا کہ وقت تصدق ودعا ہمیشہ است۔"

(توضیح البیان صفحہ ۱۵۰)

ترجمہ: حدیث شریف میں ہے کہ یہود نے جناب نبوت میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد اور غرق فرعون یوم عاشورہ میں کیا اس لیے ہم اس دن روزہ رکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کا شکرانہ ادا کرنے کے زیادہ حقدار ہیں پس آپ نے عاشورہ کا خود روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی حکم فرمایا۔

اور نیز حضور علیہ السلام نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو پیر کے دن روزہ رکھنے کی وصیت فرمائی اور فرمایا کہ میں اس دن پیدا ہوا اور اس دن میں مجھ پر قرآن نازل ہوا اور اسی دن میں نے ہجرت کی اور اسی دن مجھے وفات ہوگی۔ بنابریں تاریخ وصول ووصل کو یاد رکھنے کی لوگوں میں رسم پڑگئی اگرچہ حقیقت میں اس دن کی کوئی خصوصیت نہیں ہے کیونکہ صدقہ اور دعا کا وقت ہمیشہ ہے۔

لیکن جب لوگ ان خاص دنوں میں ایصال ثواب کرتے ہیں تو ان کے فوت شدہ اقارب ان

خاص دنوں میں وصول ثواب کا انتظار کرتے ہیں۔اور کشف سے ثابت ہوا ہے کہ اس قسم کے ایام میں ارواح جمع ہوتی ہیں پس ختمِ دعا اور کھانا کھلانے کے ثواب سے ان کی امداد کرنا بدعت مباحہ ہے اور اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں ہے۔(فتاویٰ شاہ رفیع الدین صفحہ ۱۴)

صاف معلوم ہوا کہ مذکورہ امور میں ایصالِ ثواب کے لیے کسی تاریخ کا معین کرنا شرعاً جائز ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی تعین یوم پر تصریح

''سوال: تعین وتقرر یک روز بعد از سالے بنا بر زیارت قبور بزرگان جائز ست یا ناجائز؟

جواب: رفتن بر قبور بعد سالے در یک روز معین دریں سہ صورت است کہ اول اینکہ یک روز معین نمودہ یک شخص یا دو شخص بغیر ہیئت اجتماعیہ مردمان کثیر بر قبور محض بناء بر زیارت واستغفار روند ایں قدر از روئے روایات ثابت است ودر تفسیر درمنثور نقل نمودہ کہ ہر سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بر مقابر میر فتند ودعاء برائے اہل قبور مے نمودند ایں قدر ثابت ومستحب است دوم آنکہ بہ ہیئت اجتماعیہ مردمان کثیر جمع شوند وختم کلام اللہ کنند وفاتحہ بر شرینی یا طعام نمودہ تقسیم درمیان حاضران نمایند ایں قسم معمول در زمانہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وخلفاء راشدین نبود اگر کسے ایں طور بکند باک نیست زیرا کہ دریں قسم قبح نیست بلکہ فائدہ احیاء واموات را حاصل مے شود۔۔۔الیٰ آخرہ۔''

(فتاوی عزیزی، جلد ا، صفحہ ۳۸)

ترجمہ: سوال: سال کے بعد ایک دن کو زیارت قبور کے لیے معین کر لینا جائز ہے یا نہیں؟ جواب: سال کے بعد ایک دن معین کر کے قبر پر جانے کی کئی صورتیں ہیں۔اول ایک یا دو شخص بغیر ہیئت اجتماعیہ کے قبر پر جائیں اور زیارت اور دعا وغیرہ کریں تو یہ از روئے روایت ثابت ہے تفسیر درمنثور میں نقل ہے کہ ہر سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقابر میں اہل قبور کی دعا کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔امام رازی کی تفسیر کبیر جلد نمبر ۵، صفحہ نمبر ۲۰ پر بھی اس قسم کی روایات موجود ہیں۔دوم ہیئت اجتماعیہ سے کثیر لوگ جمع ہوں اور

ختم قرآن کریں، یہ قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ اقدر اور عہد خلفائے راشدین میں معمول نہ تھی لیکن اگر کوئی اس طرح کرے تو حرج نہیں ہے۔ سوم لباس فاخرہ پہن کر عید کی طرح شاداں وفرحاں قبر پر ایک معین دن میں جمع ہوں اور قبر پر رقص وسرود کی محفل سجائی اور قبر پر سجدہ وطواف کریں یہ قسم حرام ممنوع ہے بلکہ حدِ کفر تک پہنچتے ہیں اور یہی ان دونوں حدیثوں کا مطلب ہے جن میں ہے کہ میری قبر کو عید نہ بناؤ میری قبر کو پوجا کئے جانے والا بت نہ بنانا۔ یہ دونوں احادیث مشکوٰۃ شریف میں بھی مذکور ہیں۔

نوٹ: شاہ صاحب کے استفتاء کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ ایصالِ ثواب کے لیے تقرر یوم بالکل جائز ہے---فافہم۔

''توضیح البیان'' میں ہے شاہ صاحب کے اس تفصیلی جواب سے ظاہر ہوا کہ عرس وغیرہ کے لیے دن معین کر کے ایصالِ ثواب کرنا، طعام وشیرینی پر فاتحہ پڑھنا، ختم قرآن کرنا یہ سب جائز ہیں اور مدار حرمت قبر کے لیے سجدہ طواف کرنا اور رقص وسرود کا ارتکاب ہے نہ کہ تعین یوم (توضیح البیان، صفحہ ۱۵۴)

شاہ صاحب کی مذکورہ عبارت استفتاء کے علاوہ اس سے زیادہ واضح اور صریح عبارت ملاحظہ فرماویں۔ حضرت شاہ صاحب کے ایک معاصر نے ان پر ہر سال شاہ ولی اللہ صاحب کا عرس منانے پر اعتراض کیا اور کہا

''عرس بزرگانِ خود برخود فرض دانستہ سال بسال ومقبرہ اجتماع کردہ طعام وشرینی در آنجا بردہ تقسیم نمود وثنائے عبدے کند۔'' (فتاویٰ عزیزی، جلد ا، صفحہ ۴۵)

ترجمہ: انہوں (شاہ صاحب) نے اپنے بزرگوں کے عرس کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے، سال کے سال مقابر پر جاتے ہیں، طعام وشیرینی تقسیم کرتے ہیں اور انسانوں کی تعریف میں مشغول رہتے ہیں۔

اب اس سوال (اعتراض) کا جواب شاہ صاحب کے قلم سے ملاحظہ فرماویں

''ایں طعن مبنی است بر جہل از احوال مطعون علیہ زیرا کہ غیر فرائض شرعیہ را ہیچ کس فرض نمیدانند۔ آرے زیارت وتبرک بقبور صالحین وامداد ایشان بایصالِ ثواب و تلاوتِ قرآن ودعا خیر وتقسیم طعام وشیرینی امر مستحسن وخوب است باجماع علماء و

تعین روز عرس برائے آنست کہ آں روز مذکر انتقال ایشان مے باشد از دار العمل بدار الثواب''۔(فتاوی عزیزی جلد ۱، صفحہ ۴۹)

ترجمہ: یہ اعتراض ہمارے حال سے ناواقفیت پر مبنی ہے کیونکہ غیر فرائضِ شرعیہ کو کوئی شخص بھی فرض نہیں جانتا۔ ہاں قبورِ صالحین کی زیارت اور ان سے برکت حاصل کرنا اور ثواب سے ان کی امداد کرنا اور تلاوتِ قرآن و دعا خیر کرنا اور کھانا اور شیرینی تقسیم کرنا باجماع علماء امر مستحسن اور خوب ہے اور روزِ عرس کا تعین اس لیے ہے کہ اسی دن ان کا وصال ہوا اور یہ ان کے وصال کی یاد دلاتا ہے۔

انتباہ: شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت تعینِ یوم عرس گیارہویں وغیرہ کے ایصالِ ثواب کے لیے نصِ صریح ہے جس میں کوئی خفا نہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ شاہ صاحب عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہر سال تاریخِ معینہ پر اپنے والد بزرگوار کا عرس کیا کرتے تھے۔

مخالفین و منکرین آئے دن علماء اہلسنت زادہم اللہ علماء و شرفاء پر کیچڑ اچھالتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایصالِ ثواب تو ٹھیک ہے لیکن اس کے لیے تاریخ مقرر کرنا جیسے کہ اعراسِ بزرگانِ دین اور گیارہویں شریف حضرتِ غوث اعظم رضی اللہ عنہ اور سوئم، چہلم، سالینہ مقررہ تاریخوں پر کیے جاتے ہیں، یہ بدعت، حرام اور ناجائز ہیں۔

افسوس اور صد افسوس کا مقام ہے کہ آج تک ان مولویوں کو یہ تک پتہ نہیں چلا کہ بدعت ہے کس چیز کا نام؟ یہ مخالفین کہتے ہیں کہ ایصالِ ثواب کے لیے تعینِ تاریخ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور گمراہی جہنم میں ہے۔ تو بقول ان نام نہاد دین فروش خوفِ خدا سے نڈر مولویوں کے حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بدعتی ٹھہرے اور گمراہ ہوئے (العیاذ باللہ من قولھم الشنیع) حالانکہ حضرت شاہ صاحب ہند و پاک کے جلیل القدر جید علماء کرام کے استاذ ہیں۔ ان خود ساختہ اور خریدی ہوئی اسناد سے بنے ہوئے مولویوں کو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ بالا عبارت غور سے پڑھنی چاہیے اور بار بار پڑھنی چاہیے، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت فرمادے۔

وہابیوں کے مستند پیشوا اور مقتدا سرفراز صاحب لکھتے ہیں

۱: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گیارہویں شریف دینے کا حکم فرمایا ہے؟ (تنقید متین، صفحہ ۵۲)

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی جزئیہ کے سنت ہونے کا مدار اس امر پر ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالخصوص اس جزئیہ کا حکم فرمایا ہو تو دنیا میں بے شمار جزئیات سنت ہونے سے رہ جائیں گے مثلاً وعظ و تبلیغ کرنا سنت ہے پس اب کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالخصوص سرفراز صاحب کو وعظ کرنے کا حکم فرمایا ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس کی صحیح سند مطلوب ہے ورنہ ثابت ہوا کہ سرفراز صاحب کا وعظ کرنا بدعت ہے۔

۱: دوسرا سوال سرفراز صاحب کا یہ ہے کہ کسی کے ایصالِ ثواب کے لیے دنوں کی تعین کا فرمان دیا گیا ہے اسکی سند صحیح باحوالہ مطلوب ہے اور پھر تو گیارہویں شریف سنت ہے ورنہ ہرگز نہیں (تنقید متین، ص ۵۲)

علامہ غلام رسول سعیدی نے اس کا جواب یوں فرمایا ہے: اس کے جواب میں گزارش ہے کہ آپ جو جمعہ میں خطبہ سے پہلے وعظ کرتے ہیں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تعین کا حکم دیا ہے؟ اگر دیا گیا ہے تو اس کی صحیح سند باحوالہ مطلوب ہے تو پھر یہ سنت ہے ورنہ ہرگز نہیں۔ چلیے آپ کے جمعہ کا وعظ بھی بدعت ہو کر جہنم کی نذر ہو گیا بلکہ سنیت کا جو قاعدہ آپ نے باندھا ہے اسے تو خدا کے فضل سے آپ کا ہر وہ کام جسے آپ سنت سمجھ کر کرتے ہیں بدعت قرار پائے گا کیونکہ ہم کہیں گے کہ آپ کے اصول سے یہ سنت تب ہوگا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالخصوص اس کے تعین کا حکم دیا ہو ورنہ بدعت ہوگا اور تعین پر صحیح سند باحوالہ آپ لا نہیں سکتے۔

لہٰذا سر سے پاؤں تک بدعت آپ کا احاطہ کرے گی اور ابتداء سے انتہاء تک آپ کا ہر عمل بدعت کی زد میں آجائے گا اور پھر آپ کا ٹھکانا کہاں ہوگا؟ یہ آپ سوچیں ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی (توضیح البیان صفحہ، ۱۶۰)

آخر میں اکابرین علماءِ دیوبند کے استاذ و روحانی مقتدا اور پیشوا کا ارشاد ملاحظہ فرماویں۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

"نفس ایصالِ ثواب ارواحِ اموات میں کسی کو کلام نہیں۔ اس میں بھی تخصیص و تعین

کو موقوف علیہ ثواب کا سمجھے یا فرض واجب اعتقاد کرے تو ممنوع ہے اور اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت باعث تقیید ہیئت کذائیہ ہے تو کچھ حرج نہیں جیسا کہ بمصلحت نماز میں سورہ خاص معین کرنے کو فقہاء و محققین نے جائز رکھا ہے"۔

(فیصلہ ہفت مسئلہ، صفحہ ۸)

ظاہر ہے کہ اہل سنت والجماعت تعینِ تاریخ کو فرض و واجب نہیں جانتے بلکہ متعدد مصلحتوں کی وجہ سے تاریخ کا تعین کیا جاتا ہے اور بقول حاجی امداد اللہ صاحب یہ بالکل جائز ہے۔

گیارہویں شریف کے مخالفین کا ایک اعتراض اور اس کا جواب

حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو جس طرح دنیائے اسلام و اولیائے کرام میں مقبولیت و محبوبیت حاصل ہے اسی طرح آپ کا ماہانہ عرس و گیارہویں شریف بھی بفضلہٖ تعالیٰ اسی محبوبیت کا مظاہرہ و ثمرہ ہے مگر منکرین شان ولایت جس طرح مقام ولایت و غوثیت کے مخالف ہیں اسی طرح آپ کی گیارہویں شریف و ایصالِ ثواب کو روکنے کے لیے بھی نہایت ڈھٹائی سے حکم قرآنی **وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ** میں تحریف کر کے اسے گیارہویں شریف پر چسپاں کر کے حرام ٹھہراتے اور یہ تاثر دیتے ہیں کہ گیارہویں شریف پر چونکہ غیر اللہ کا نام آ گیا ہے اس لیے یہ حرام ہے --**لا حول ولا قوۃ الا باللہ** --قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ (المائدۃ:۳)

ترجمہ: تم پر حرام ہے مردار، خون اور سؤر کا گوشت اور وہ جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا گیا۔

مخالفین آیہ مبارک کا مذکورہ مفہوم جو بیان کرتے ہیں اس کی معنوی تحریف کے مترادف ہے کیونکہ اس کا اصل مطلب وہی ہے جو حضرت امام رضا احمد خان رحمۃ اللہ علیہ نے جملہ تفاسیر و مباحث کا خلاصہ و نچوڑ پیش کرتے ہوئے "کنز الایمان" میں لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ جانور ہے جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا گیا۔ اور یہی معنی عقل و نقل کے مطابق ہے اس لیے کہ اس میں ان مشرکین کا رد ہے جو بوقت ذبح

بسم اللات والعزیٰ پکارتے تھے۔ لہٰذا اس کے بالمقابل بوقت ذبح **بسم اللہ اکبر** کی تعلیم دی گئی۔ اگر وقت ذبح کا لحاظ نہ کیا جائے اور مطلقاً ہمہ وقت ہر چیز غیر خدا کے نام کا اطلاق حرام قرار دیا جائے تو پھر دنیا میں کوئی چیز حرام ہونے سے بچ نہ سکے گی۔

اس لیے کہ حیوانات، مکانات، دکانات، اولاد، زوجات وغیرہا سب پر غیر خدا کے نام کا اطلاق و استعمال ہوتا ہے۔ تو صرف گیارہویں شریف ہی کو کیوں نشانہ بنایا جاتا ہے؟ کیا یہ بغض و عناد کا مظاہرہ نہیں ہے؟ (رضائے مصطفیٰ صفحہ ۶، ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ)

وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ کا ترجمہ چند تفاسیر سے پیش خدمت ہے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ **وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ** کی تفسیر میں فرماتے ہیں

ای رفع الصوت لغیر اللہ تعالیٰ عنه عند ذبیحه والمراد بالا هلال هنا ذکر ما یذبح له کاللات ولعزیٰ (تفسیر روح المعانی، جلد ا، صفحہ ۵۲)

ترجمہ: یعنی ذبح کے وقت غیر اللہ کے لیے آواز بلند کرنا اور ہلال سے مراد اس کا ذکر کرنا ہے جس کے لیے جانور ذبح کیا جائے مثلاً لات و منات وغیرہ۔

علامہ ابوسعود اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں" **(وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ) ای رفع به الصوت عند ذبحه للصنم** (غیر اللہ کے نام کو وقتِ ذبح بلند کیا جائے)۔ اسی طرح تفسیر ''بیضاوی'' میں ہے **ای رفع به الصوت عند ذبحه للصنم** یعنی غیر اللہ کے نام کو بوقت ذبح بلند کیا جائے۔ تفسیر ''جلالین'' میں ہے **ای ذبح علی اسم غیرہ** یعنی غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے

۔تفسیر ''روح البیان'' میں ہے **ما رفع به الصوت عند ذبحه للصنم** یعنی جس پر ذبح کے وقت آواز بتوں کے لیے بلند کی گئی ہو۔ تفسیر ''مدراک'' میں ہے **ای ذبح للاصنام** جو بتوں کے لیے ذبح کیا گیا ہو۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ **وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ** کے تحت فرماتے ہیں ''بنامِ خدا ذبح کردہ نشدہ باشد'' (اشعۃ اللمعات، جلد ۳، صفحہ ۴۷۹) یعنی جو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح نہ

کیا گیا ہو۔امام ابوبکر الحنفی المتوفی ۳۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں

"ولا خلاف بین المسلمین ان المراد به الذبیحة اذا اهل بها لغیر الله عند الذبح" (احکام القرآن، جلد ۱، صفحہ ۱۵۴)

ترجمہ: اور مسلمانوں کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ ما سے مراد وہ ذبیحہ ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔

مندرجہ بالا حوالہ جات سے صاف معلوم ہوا کہ منکرین آیت مذکورہ کا معنی و مفہوم جو بیان کرتے ہیں وہ بالکل غلط اور قرآنِ کریم میں تحریف ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ اس مسئلہ میں علماء حق اہلسنت والجماعت کا کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ سب علماء مفسرین و فقہاء کرام کا متفقہ فیصلہ اور فتویٰ ہے کہ گیارہویں شریف کا کھانا اور اولیائے کرام کے ایصالِ ثواب کے لیے جو جانور ذبح کیے جاتے ہیں ان کا کھانا بلا چون و چرا جائز، حلال اور طیب ہے۔

رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ کی تفسیر یوں فرماتے ہیں: ما ذبح لغیر اسم الله عمد اللاصنام یعنی اس جانور کا کھانا حرام ہے جس کو عمداً قصداً بتوں کے لیے ذبح کیا جائے اور بوقت ذبح اس پر اللہ کو چھوڑ کر کسی بت (معبود باطل) کا نام لیا جائے۔(تفسیر ابن عباس، پارہ ۲، صفحہ ۱۸)

وضاحت: مندرجہ بالا عبارت سے صریحاً یہ وضاحت ہوگئی کہ جس جانور کو بوقتِ ذبح لات، منات وغیرہ اصنام کا نام لے کر ذبح کیا جائے اس کا کھانا حرام ہے اور اگر کسی ولی اللہ کے ایصالِ ثواب کے لیے جانور پر اللہ تعالیٰ کا نام یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا جائے تو وہ بالکل حلال ہے۔اولیاء اللہ کی طرف گائے، بکرا وغیرہ منسوب کرنے کا اصل مطلب و مقصد ان کی ارواحِ طیبات کو ایصالِ ثواب کرنا ہے جو ادلہ شرعیہ سے ثابت ہے۔

تنبیہ: محض کسی جانور کو کسی کی طرف منسوب کرنے ہی سے اگر وہ حرام ہو جاتا ہے تو پھر مخالفین قربانی

اور عقیقہ کرنا بھی چھوڑ دیں اور ان کی حرمت کا فتویٰ بھی جاری کریں کیونکہ قربانی اور عقیقہ میں بھی جانور کو ذبح کیا جاتا ہے، اس شخص معین کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

تفسیر ''خازن'' میں وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ کے تحت مرقوم ہے

وما ذبح اللاصنام والطواغیت واصل الاهلال رفع الصوت و ذلك انهم كانوا يرفعون اصواتهم بذكر الهيتم اذا ابهائم --الخ (تفسیر خازن، جلد ا، صفحہ ۱۱۹)

ترجمہ: وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ سے مراد وہ جانور ہیں جو باطل معبودوں اور بتوں کے لیے خاص کر ذبحہ کیے جاتے تھے اور اھلال کا معنی آواز کو بلند کرنا ہے اور یہ ایسی بات ہے کہ کفار جانوروں کو ذبح کرتے وقت اپنے معبودوں کا نام بلند آواز سے لیا کرتے۔ ظاہر ہے کہ ایسے مذبوحہ کا کھانا عند اہلسنت والجماعت بھی حرام ہے۔ اب اگر مانعین ایک پاک طیب جانور کے کھانے کو حرام کہتے ہیں تو ان کے پاس قرآن کریم میں تحریف کے علاوہ اور کون سی دلیل ہے۔

''تفسیر احمدی'' کے پارہ ۲، صفحہ ۳۹ پر وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ کے تحت درج ہے:

"معناه ذبح لاسم غير الله مثل لات و عزى، واسماء الانبياء وغير ذلك الى ان قال و من هسهنا علم ان البقرة المنذورة الاولياء كما هو الرسم فى زماننا حلال طيب لم يذكر اسم غير الله عليها وقت الذبح وان كانوا نيذرو نهاله---الخ

ترجمہ: معنی یہ ہے کہ جانور کو ذبح کرتے وقت اس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام اگر لیا جائے مثلاً لات، عزیٰ وغیرہ کا جبکہ یہ کافروں کے معبود تھے یا کسی پیغمبر علیہ السلام یا کسی اور کا تو اس مذبوحہ کا کھانا حرام ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا گیا تو اس کا کھانا بالکل جائز ہے۔

مفسر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ وہ گائے وغیرہ جو اولیاء اللہ کے ایصالِ ثواب کی نیت سے مانی جاتی ہے جیسے کہ ہمارے زمانے میں عام رواج ہے جب اس پر ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے تو وہ بالکل پاک اور حلال ہے اور اس کا کھانا بالکل درست ہے اگر چہ وہ مانی

جاتی ہے اولیاء اللہ کے لیے۔

استاذِ سلطان عالمگیر بادشاہ علامہ ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ نے دوٹوک الفاظ میں فیصلہ سنا دیا اور یہ فیصلہ اس زمانے سے متعلق ہے جس زمانے میں مستند اور معتبر ''فتاویٰ عالمگیری'' کی تصنیف ہو رہی تھی اور ہزاروں جید متبع شریعت علماء و مشائخ عظام موجود تھے مگر کسی ایک عالم نے بھی اختلاف نہ فرمایا (وہ ایسے علماء نہ تھے جیسے آج کل کے ایک سہ روزہ سے آدمی عالم بن جاتا ہے) بلکہ وہ علماءِ حق اور علماء ربانی تھے۔

''تفسیر احمدی'' کے مصنف علامہ جیون رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے یہ دنیا کے تمام اسلامی ممالک کے چیدہ اور برگزیدہ ہزاروں علمائے کرام کا متفق علیہ فیصلہ ہے۔

''ہدایہ'' میں وذبیحۃ المسلم والکتابی حلال--الیٰ آخرہ کے حاشیہ ۴ پر درج ہے

و ذبیحۃ الکتابی فیما اذالم یذکر وقت الذبح اسم عزیر او اسم المسیح واما اذکر ذلك فلا تحل کما لا یحل ذبیحۃ المسلم اذا ذکر وقت الذبح غیر اسم اللّٰہ تعالیٰ--- لقولہ تعالیٰ وما اھل بہ لغیر اللّٰہ--- فحال الکتابی فی ذلك لا یکون اعلی من حال المسلم

(ہدایہ آخرین، جلد ۳، صفحہ ۳۶۸)

ترجمہ: جس جانور کو مسلمان یا اہل کتاب ذبح کر دے اس کا کھانا حلال ہے حاشیہ نمبر ۴ پر درج ہے یعنی اہل کتاب کا ذبیحہ اس وقت حلال ہے جبکہ اس نے ذبح کے وقت اس پر عزیر علیہ السلام یا عیسیٰ علیہ السلام کا نام نہ لیا ہو بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہو اور اگر اہل کتاب نے ذبح کے وقت ذبیحہ پر عزیر علیہ السلام یا عیسیٰ علیہ السلام کا نام لیا ہو تو اس کا کھانا حرام ہے جیسے کہ حلال نہیں ذبیحہ اس مسلمان کا جس نے ذبح کے وقت ذبیحہ پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لے کر کسی اور کا نام لیا ہو بوجہ قول باری تعالیٰ کے کہ---وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ہے۔

وضاحت: مصنف ''ہدایہ'' رحمت اللہ علیہ نے ایسی وضاحت فرما دی جس کے خلاف سوائے معاند اور ہٹ دھرم کے کوئی بھی لب کشائی نہیں کرسکتا۔ عبارت مذکورہ سے صریحاً ثابت ہوا کہ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ

لِغَيْرِ اللّٰهِ کا معنی و مطلب یہی ہے کہ ذبیحہ پر عند الذبح اگر بسم اللہ اللہ اکبر نہ کہا گیا ہو تو اس کا کھانا یقیناً حرام ہے۔

مزید تفصیل و معلومات کے لیے اگر کسی کا شوق ہو تو مذکورہ حوالہ کے تحت ''ہدایہ شریف'' دیکھ سکتا ہے۔

مذکورہ عبارت سے مکمل طور پر یہ ثابت ہو گئی کہ جو جانور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا جاتا ہے اور ایصالِ ثواب کے لیے اس کا ثواب والدین یا کسی ولی اللہ بالخصوص حضرت محبوب سبحانی، غوث صمدانی سیدنا شیخ عبد القادر جیلانیؓ کی روح پر فتوح پر ہدیہ کیا جاتا ہے اس جانور کا گوشت کھانا شرعاً بالکل جائز و درست ہے اور یہی مسلک اہلسنت والجماعت کا ہے اور یہی عقیدہ تمام مسلمانوں کا ہے۔ جو اس کے خلاف ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج بلکہ من الخوارج ہے۔

تفسیر ''ضیاء القرآن'' کی عبارت کو غور سے پڑھیں اور پھر اس پر عمل شروع کریں۔ اسی میں دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ یعنی اور حرام کیا ہے اللہ تعالیٰ نے تم پر وہ جانور بلند کیا گیا ہو جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام۔ حاشیہ ۱۹۶ میں فرماتے ہیں۔

> ''میں نے اس کا ترجمہ کیا ہے اور وہ جانور جس پر بلند کیا گیا ہو غیر اللہ کا نام --- میں نے اس ترجمہ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فارسی ترجمہ کا اتباع کیا ہے۔ قرآن کریم میں یہ آیت شریف چار بار آئی ہے اور ہر جگہ حضرت شاہ صاحب نے یہی ترجمہ کیا ہے۔ اور مَآ اُهِلَّ کے لفظی ترجمہ میں وقت ذبح کی قید ہمیشہ ملحوظ رکھ ہے مثلاً آپ نے اس آیت کا ترجمہ ''وآنچہ آواز بلند کردا شود در ذبح وے بغیر خدا'' --- کے الفاظ سے کیا ہے۔
>
> ''فتح الرحمن'' میں اور تمام مفسرین کرام نے اس آیت شریف کا یہی معنی بیان کیا ہے۔ میں امام ابو بکر جصاص کی عبارت نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں، فرماتے ہیں:

ولا خلاف بین المسلمین ان المراد بہ الذبیحۃ اذا اھل بھا لغیر اللہ عند الذبح

ترجمہ: یعنی سب مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ اس سے مراد وہ ذبیحہ ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے۔

مزید تحقیق کے لیے خواہش مند حضرات تفسیر قرطبی، تفسیر مظہری، تفسیر بیضاوی، تفسیر روح المعانی، تفسیر ابن کثیر و تفسیر کبیر وغیرہ ملاحظہ فرماویں۔ بعض لوگ ان چیزوں کو بھی حرام کہہ دیتے ہیں جس پر کسی ولی اللہ یا نبی علیہ السلام کا نام لے دیا جائے خواہ ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام ہی سے کیوں نہ ذبح کیا گیا ہو کیونکہ اس طرح مشرکین کے مشرکانہ عمل سے تشبیہ ہو جاتی ہے کیونکہ وہ بھی اپنے بتوں کے نام لیا کرتے تھے لیکن اگر نظر انصاف سے دیکھا جائے تو مسلمانوں کے اس عمل کو مشرکین کے عمل سے ظاہری یا باطنی، صوری یا معنوی کسی قسم کی بھی مشابہت نہیں۔

کفار جب ایسے جانوروں کو ذبح کرتے تھے تو اپنے بتوں کا نام لے کر ان کے گلے پر چھری پھیرتے، وہ کہتے تھے **باسم اللات والعزیٰ** یعنی لات اور عزیٰ کے نام پر ہم ذبح کرتے ہیں اور مسلمان ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے نام کے سوا کسی کا نام لینا گوارا ہی نہیں کرتے۔ اس لیے ظاہری مشابہت نہ ہوئی۔ نیز کافر ان جانوروں کو ذبح کرتے تو ان بتوں کی عبادت کی نیت سے ان کی جان تلف کرتے، کسی کو ثواب پہنچانا مقصود نہ ہوتا۔ اور مسلمان کسی غیر خدا کی عبادت کی نیت سے یا کسی کی خاطر ان کی جان تلف نہیں کرتے بلکہ ان کی نیت یہی ہوتی ہے کہ جانور کو اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح کرنے کے بعد یا یہ کھانا پکانے کے بعد فقراء اور عام مسلمان کھائیں گے اور اس کا جو ثواب ہوگا وہ فلاں صاحب کی روح کو پہنچے۔

واضح ہو گیا کہ مسلمانوں کے عمل اور مشرکین کے طریقہ میں زمین آسمان

سے بھی زیادہ فرق ہے۔ ہاں اگر ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام لے یا کسی غیر خدا کی عبادت کے لیے کسی جانور کی جان تلف کرے تو اس چیز کے حرام ہونے اور ایسا کرنے والے کے مشرک و مرتد ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اگر مقصد صرف ایصالِ ثواب ہو جیسا کہ ہر کلمہ گو کا مقصد ہوا کرتا ہے تو اس کو طرح طرح کی تاویلات سے حرام کہنا اور مسلمانوں پر شرک کا فتویٰ دیتے چلے جانا کسی عالم کو زیب نہیں دیتا۔''

(تفسیر ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الازہری، سورالبقرہ، صفحہ ۱۱۶)

التماس: نہایت محنت سے میں نے جو مستند حوالے پیش کیے ان سے صاف ثابت ہوا کہ

۱: حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی گیارہویں شریف منانا شرعاً بلا چون و چرا بالکل جائز اور درست ہے۔

۲: گیارہویں شریف کے لیے تاریخ متعین کرنا بنا بر مصالح بلا شبہ جائز ہے۔

۳: گیارہویں شریف میں ایصالِ ثواب کے لیے جو جانور ذبح کیا جاتا ہے اس کا گوشت کھانا شرعاً بالکل حلال و طیب ہے۔

راقم الحروف رب ذوالجلال کی بارگاہ میں قوی امید رکھتا ہے کہ ہمارے ان پیش کردہ حوالوں سے وہ لوگ بھی راہ راست پر آجائیں گے جو اب تک اس مسئلہ میں مخالفت کرتے رہے ہیں اور معتقدین کی پختگی عقائد کے لیے مدد و معاون ثابت ہوں گے۔

محمد کی محبت دین حق کی شرطِ اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

واللہ اعلم بالصواب

تبصرہ کتب

نام کتاب: سہ ماہی انوارِ رضا ''گولڈن جوبلی انٹرنیشنل ختم نبوت نمبر''

ناشر: انٹرنیشنل غوثیہ فورم جوہر آباد

صفحات: ۹۴۴

قیمت: ۲۴۰۰ روپے

تبصرہ نگار: سید محمد انور شاہ قادری بخاری

مطلع انبیاء حضور کی ذات
مقطع انبیاء حضور کی ذات

مجاہد اہلسنت برادرم محبوب الرسول قادری (چیف ایڈیٹر انوارِ رضا) نے ایک بار پھر میدان مار لیا اور اپنے مجلہ کے ایسے معرکتہ الآرا نمبر پے در پے منظر عام پر لائے جن کی مثال صحافت کی دنیا میں نہیں ملتی۔ آپ نے قبل ازیں ۲۰۲۳ء میں ''انوار رضا'' کا خاص شمارہ ''حافظ ایمان نمبر'' کے عنوان سے ۳۲۴ صفات میں شائع فرمایا اور اسے گولڈن جوبلی ختم نبوت ۲۰۲۴ء کا استقبالیہ قرار دیا۔ اس میں آپ نے ختم نبوت کے موضوع پر گراں قدر مقالات شامل فرمائے خصوصاً حضرت علامہ پیر محمد بخش لاہوری کی نادر و نایاب کتاب ''حفظ ایمان از فتنہ قادیانیت'' کا اصل فارسی متن اور اردو ترجمہ شائع فرمایا جبکہ زیر نظر شمارہ تقریباً ساڑھے نو سو صفحات پر مشتمل ہے جو ختم نبوت پر ایک انتہائی اہم ترین منفرد تاریخی دستاویز ہے۔

عقیدہ ختم نبوت پر امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چودہ سو سال سے متفق چلی آ رہی ہے۔ انگریزوں نے مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے کے لیے فتنہ قادیانیت پیدا کیا جو ملت اسلامیہ کیلیے ناسور کی مانند ہے۔ اس کے سدباب کے لیے جو کوششیں کی گئیں انہیں اس خصوصی ایڈیشن میں چار ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے

۱: مرزا قادیانی کے جھوٹے دعویٰ نبوت ۱۹۰۸ تا ۱۹۵۲ء

۲: تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء و مابعد

۳: تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء اور قادیانیوں کو قومی اسمبلی پاکستان میں متفقہ طور پر کافر قرار دینا

۴: عصر حاضر میں فتنہ قادیانیت کا پیش منظر اور اس کا سد باب

ان چار ادوار میں فتنہ انکار نبوت کے تعاقب کی تاریخ کو بڑی محنت سے محفوظ کرنے کی عمدہ کوشش کی گئی ہے۔ یہ اداروں کے کرنے کا کام تھا لیکن برادرم محبوب الرسول نے بے سروسامانی کے عالم میں یہ عظیم الشان معرکہ سر کر کے ثابت کر دیا کہ رب العالمین کا خاص فضل و کرم ان کے شامل حال ہے۔ نیز رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصی نظر لطف و کرم ان پر سایہ فگن ہے۔ آپ کے جملہ معاونین خراج تحسین کے مستحق ہیں۔

اس ضخیم نمبر کی ترتیب و تدوین بڑی خوش اسلوبی سے کی گئی ہے اور تمام مقالات و نگارشات کو درج ذیل بارہ عنوانات جلی کے تحت مزین کیا گیا ہے۔ قرآن و حدیث، امتیازات، تحقیقات، تحریکات، ترمیمات، قانونیات، تعارفیات، تعاقبات، متفرقات، منظومات، تبرکات اور پیغامات۔

ساری دنیا سے بڑی بڑی دانش گاہوں کے اکابرین، سکالرز، ماہرین تعلیم اور علماء و مشائخ نے اپنے تاثرات قلم بند کر کے ارسال فرمائے جن کی اکثریت انگریزی اور عربی میں ہے۔ انہیں آخر میں پیغامات کے تحت شامل کیا گیا ہے۔ ادارہ ثانیہ میں پیر طریقت ڈاکٹر ریٹائرڈ کرنل محمد سرفراز محمدی سیفی صاحب نے ملت اسلامیہ پاکستان کے جذبات اور دلی آواز حکومت کے ایوانوں تک پہنچائی ہے کہ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو قومی اسمبلی کے فیصلے اور آئین پاکستان کی دفعات ۲۹۸ بی اور سی کو لاگو کر کے قادیانیوں کو آئین پاکستان کا پابند بنایا جائے، استحکام پاکستان کے لیے یہ بے حد ضروری ہے۔

عمدہ سفید کاغذ، کمپیوٹر کمپوزنگ، نفیس پرنٹنگ اور گنبد خضرا سے مزین مضبوط رنگین جلد کی بدولت اس ضخیم ایڈیشن کا حسن ظاہری بھی نکھر کر سامنے آیا۔ اسے ہر نوع کے کتب خانہ کی زینت بنانا ضروری ہے

تیرے وجود پہ فہرست انبیاء ہے تمام
تجھی پہ ختم ہے روح الامیں کی نامہ بری

نورِ عینین نبی

شاہ ابو احمد محمد علی حسنین اشرفی جیلانی کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ

شاہ جیلاں بمنِ زار و پریشاں مددے
نورِ عینین نبی سید و سلطاں مددے

حاضرم بر درِ پاکِ تو بصد رنج و الم
دستگیرا بمنِ بے سرو و ساماں مددے

بامیدیکہ بہ بغداد زِ ہند آمدہ ام
مشکلم سہل کن و بر من حیراں مددے

بر دلِ مردہ من یک نظر لطف بکن
اے مسیحائے زماں عیسیٰ دوراں مددے

ما غریبیم و غریب الوطنم اے آقا
چشم رحمت بکشا سوئے غریباں مددے

شب تاریک و رہ تنگ و من بیچارہ
اندریں حال زبوں اے مہِ تاباں مددے

طالب معرفتم قلب مرا روشن کن
اے شہ کشورِ دیں صاحب عرفاں مددے

اشرفی آمدہ در حالت پیری بدرت
دستگیری بکن اے حامئ پیراں مددے

برائے رابطہ

شاہ محمد غوث اکیڈیمی

کوچہ آقا پیر جان، یکہ توت، پشاور شہر

0332-5553125 www.alameer.org info@alameer.org facebook.com/Alameer.org